خطوات إلى السعادة

یعنی

نیکی کی راہ

تالیف

فضيلة الدكتور عبد المحسن بن محمد القاسم

إمام وخطيب المسجد النبوي

ترجمہ

محمد عمران سلفی

اشراف ومراجعہ

احسن جمیل عبدالبصیر مدنی

ناشر

اتحاد اسلامک ریسرچ اینڈ دعوت سنٹر لکھنؤ

نام کتاب	:	نیکی کی راہ
مؤلف	:	فضیلۃ الدکتور عبدالمحسن بن محمد القاسم
مترجم	:	محمد عمران سلفی
اشراف ومراجعہ	:	احسن جمیل بن عبدالبصیر مدنی
سن اشاعت	:	۲۰۱۶ء
ناشر	:	اتحاد اسلامک ریسرچ اینڈ دعوت سنٹر، لکھنؤ
صفحات	:	(۱۶۲)

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ ترجمان، اردو بازار، دہلی
۲- مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس
۳- دفتر اتحاد أبناء السّلفیہ، مسجد باگڑ بلی، بنارس

وقف للّٰہ من فاعل الخیر

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد:

زیرنظر کتاب مسجد نبوی کے امام وخطیب ڈاکٹر عبدالمحسن بن محمد القاسم کی کتاب ''خطوات إلى السعادۃ'' کا اردو ترجمہ ہے، شیخ محترم اپنے تقوی وطہارت، اعلی اخلاق اور حسن تعاون جیسی اعلی صفات کے ساتھ معروف ومشہور ہیں اور مسجد نبوی کے امام وخطیب ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

آپ نے اپنی اس کتاب میں مختلف موضوعات سے متعلق کتاب وسنت اور اقوال سلف کی ایسی قیمتی موتیوں کو اکٹھا کیا ہے جو انسان کو عموما اور مسلمانوں کو خصوصا سعادت وکامرانی کے کنارے تک پہنچاتی ہیں اور جو بھی انسان ان موتیوں کو چن کر اپنے لیے حرز جاں بنائے گا وہ فوز وفلاح سے ہمکنار ہوگا، نیز اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی اور اس کی جنت کا حقدار بنے گا۔

کتاب کی افادیت اور آج کے مادی دور کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہمارے فاضل نوجوان داعی محمد عمران سلفی فاضل جامعہ سلفیہ نے اس کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے جس میں آپ کتنے کامیاب رہے اس کا فیصلہ قارئین خود کریں گے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ رب العالمین کتاب کو مفید عام بنائے، اور اس کے مؤلف، مترجم اور کتاب کی تیاری وطباعت کے مرحلہ تک پہنچانے میں جن لوگوں نے بھی تعاون کیا ہے ان سب کے لیے اسے ذخیرۂ آخرت بنائے، نیز ہم سب کو خلوص عمل کی توفیق بخشے، آمین۔

احسن جمیل عبدالبصیر مدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أمابعد:

یہ مختلف موضوعات پر کچھ مختصر چنی ہوئی باتیں ہیں جو انسان کو سعادت وکامرانی کے کنارے تک پہنچاتی ہیں، اسی لیے میں نے اس کا نام ''خطوات إلى السعادة'' رکھا ہے (یعنی سعادت کی طرف چند قدم) اور بہت سارے بزرگ ائمہ نے اپنی تالیفات میں اسی نہج کو اختیار کیا ہے، جیسے علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب ''الفوائد'' اور ''بدائع الفوائد'' میں، اور علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''صید الخاطر'' میں اور علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب ''مداواۃ النفوس'' میں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کوشش کو نفع بخش بنائے اور ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنادے، آمین۔

عبدالمحسن بن محمد بن عبدالرحمٰن القاسم
امام وخطیب المسجد النبوی

اللہ کے لیے اخلاص سعادت کا راستہ ہے:

بندے کی بے نیازی اپنے رب کی اطاعت اوراس کی جانب مکمل توجہ میں ہے۔ اللہ کے لیے عمل میں اخلاص دین کی بنیاد اور عمل کا تاج ہے اور یہی وقار کا عنوان ، ہمت کی بلندی، عقل کی درستگی کی علامت اور نیک بختی کا راستہ ہے۔واضح رہے کہ ارادے ونیت کی درستگی کے بغیر کوئی کام پورانہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی برکت حاصل ہوسکتی ہے۔اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو بہت ساری آیتوں میں اخلاص کا حکم دیا ہے، اللہ نے آپ ﷺ سے کہا: ﴿فاعبد الله مخلصا له الدين﴾(۱)(آپ اللہ کی عبادت اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے کریں)

اورفرمایا: ﴿قل إني أمرت أن أعبد الله مخلصا له الدين﴾ (۲) (اے نبی آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کوخالص کرلوں)

اوراللہ رب العالمین نے فرمایا:﴿قل الله اعبد مخلصا له ديني﴾ (۳) کہہ دیجئے کہ میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

پس عمل کی درستگی نیت کی درستگی میں ہےاورنیت کی درستگی دل کی درستگی میں ہے۔

اسی لیے اللہ رب العالمین کے نزدیک عمل کی قبولیت کی اصل اخلاص کے ساتھ اتباع میں ہے،عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:’’قول اور عمل نیت ہی کی وجہ سے نفع بخش ہوگا اورقول،عمل اورنیت صرف سنت کی موافقت سے فائدہ مند ہوگا‘‘۔

---

(۱)الزمر:(۲)　(۲)الزمر:(۱۱)　(۳)الزمر:(۱۴)

اور عبادات کے سلسلے میں اخلاص بہت قیمتی سرمایہ ہے، ابن الجوزی کہتے ہیں:
''بہت کم ہی لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالی کے لیے خالص عمل کرتے ہیں، کیونکہ اکثر لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی عبادتیں ظاہر ہوں''۔(۱)

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''خالص ریا کاری مومن سے فرض نماز اور فرض روزہ میں صادر نہیں ہوسکتی ہے، لیکن کبھی کبھی ریا کاری واجب صدقہ، حج اور ان کے علاوہ ظاہری اعمال یا وہ اعمال جن کا نفع دوسروں تک پہونچتا ہے میں صادر ہوسکتی ہے جبکہ اس میں اخلاص محبوب اور پسندیدہ چیز ہے، اور ریا کاری ایک ایسا عمل ہے جس کے بارے میں کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا کہ وہ عمل کو برباد کرنے والا ہے، اور یہ کہ ریا کار آدمی اللہ کی ناراضگی اور اس کی سزا کا مستحق ہوگا''۔(۲)

بعض علماء نے جیسے امام بخاریؒ اپنی صحیح میں، اور مقدسی عمدۃ الاحکام میں اور بغوی شرح السنۃ اور مصابیح السنۃ میں، امام نووی اپنی کتاب اربعین نوویہ میں اپنی کتاب کا آغاز حدیث "انما الأعمال بالنيات" سے کیا ہے۔ اس سے ان لوگوں نے یہ اشارہ دیا ہے کہ اعمال میں اخلاص کی بڑی اہمیت ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے اپنی نیت سے زیادہ سخت کسی چیز کی مشق نہیں کی، کیونکہ وہ مجھ پر الٹ پلٹ ہوتی رہتی ہے''۔ اور اللہ کے لیے نیت کو خاص کیے بغیر عمل کرنا طاقت کو بے کار کرنا اور اپنی محنت کو اکارت کرنا ہے، اور ایسا عمل اس کے کرنے والے کے اوپر مردود ہوگا، اور اللہ تعالی بے نیاز لائق تعریف ہے وہ وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو۔ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا کیا خیال ہے اس آدمی کے بارے میں جو

---

(۱) صید الخاطر (ص ۲۵۱)   (۲) جامع العلوم: (۷۹/۱)

غزوہ کرتا ہو، اجر وثواب اور شہرت کے لیے، اس کے لیے کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے لیے کچھ نہیں ہے، اس بات کو اس آدمی نے آپ ﷺ سے تین بار کہا اور رسول اللہ ﷺ اس سے یہی کہتے تھے کہ اس کے لیے کچھ نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے کہا: ''اللہ وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو اور اس عمل سے صرف اللہ کی خوشنودی چاہی جائے''۔(۱)

اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ رب العالمین نے فرمایا: میں شریک کرنے والے کے شرک سے بے نیاز (بے پرواہ) ہوں، جو کوئی ایسا کام کرے جس میں میرے ساتھ کسی غیر کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔(۲)

اسلام میں کثرت عمل کے ساتھ اخلاص کا ہونا واجب ہے:

صرف عمل کی زیادتی کا اسلام میں کوئی اعتبار نہیں ہے، درحقیقت اللہ تعالی کے لیے سچا اخلاص ہونا ضروری ہے اور کثرت عمل سنت مصطفیٰ ﷺ کے موافق ہونا ضروری ہے اور ہمارے رب نے اس چیز کو اپنے اس فرمان میں جمع کر دیا ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفاء ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة وذلك دين القيمة﴾ (۳)

(انھیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے یکسو ہو کر، دین کو خالص رکھیں اور نماز قائم رکھیں اور زکاۃ دیتے رہیں اور یہی سیدھا دین ہے)۔

اس آیت کریمہ میں اخلاص کو نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، پھر عمل چاہے جتنا زیادہ ہو اگر عقیدہ صحیح نہیں ہے تو یہ چیز آدمی کو جہنم رسید کرائے گی، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وقدمنا إلى ما عملوا من عمل

---

(۱) أبوداود ونسائی (۲) مسلم (۳) البینۃ: (۵)

فجعلناه هبآء منثورا﴾ (۱)

(اورانہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا)۔

فضیل بن عیاض اللہ تعالی کے اس قول ﴿الذي خلق الموت والحياة ليبلوكم أيكم أحسن عملا وهو العزيز الغفور﴾ (۲)(جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے اور وہ غالب بخشنے والا ہے) کے بارے میں فرمایا: ''مطلب یہ ہے کہ جو سب سے زیادہ خالص اور سب سے زیادہ درست ہو''۔ لوگوں نے کہا: اے ابوعلی! سب سے زیادہ خالص اور درست کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اگر عمل خالص ہو لیکن درست نہ ہو تو وہ قبول نہیں ہوگا اور عمل اگر درست ہو لیکن خالص نہ ہو تب بھی قبول نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ خالص اور درست ہو جائے (تب قبول ہوگا) خالص کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے ہو، اور درستگی کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق ہو۔

وہ کون سے اعمال ہیں جن میں اللہ کے لیے مخلص ہو جاؤں؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاص صرف نماز، تلاوت قرآن مجید، ظاہری عبادات والے اعمال جیسے اللہ کی طرف دعوت دینے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اخلاص تمام عبادتوں یہاں تک کہ پڑوسیوں سے ملاقات کرنے، صلہ رحمی کرنے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی مطلوب ہے اور یہ عبادت کی اہم قسم میں سے ہے، اور ہر وہ کام جس سے اللہ محبت کرے اور جس سے وہ راضی ہو جائے اس میں اخلاص واجب ہے، خواہ کوئی بھی عمل ہو، یہاں تک کہ معاملات کے باب میں بھی جیسے خرید وفروخت میں سچ بولنا اور بیوی کے ساتھ حسن سلوک اور اولاد کی اصلاح وغیرہ کے کام میں، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ولست

---

(۱)الفرقان:(۲۳) (۲)الملک:(۲)

تنفق نفقة تبتغي وجه الله إلا أجرت عليها حتى اللقمة تضعها في في امرأتك. (۱) جو چیز بھی تو خرچ کرے گا اس پر اجر دیا جائے گا بشرطیکہ تو اس کے ذریعہ اللہ کی رضا کا طلبگار رہو حتی کہ اس لقمہ پر بھی جو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو۔

پس ہر وہ ظاہری و باطنی قول و عمل جس سے اللہ خوش اور راضی ہو عبادت ہے اور اس میں اخلاص واجب ہے اگر چہ عمل کم ہی ہو۔

اخلاص کیا ہے؟

اخلاص کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کی نیت اپنے عمل میں صرف اللہ کے لیے ہو اور اس میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو مراد نہ لے، اور نہ ہی اس عمل کو ریا کاری کی نیت سے اور نہ شہرت و بلندی کی نیت سے کرے، اور نہ ہی اس عمل کے ذریعہ کسی کا قرب حاصل کرنا مقصود ہو، نیز لوگوں کی تعریف سننے کے لیے یا کسی کے طعنہ کے ڈر سے بھی نہ کیا گیا ہو، لہذا جب آپ کی نیت صرف اللہ کے لیے ہو اور آپ نے اپنے عمل کو کسی انسان کے لیے مزین نہ کیا ہو تو آپ مخلص ہیں۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ لوگوں کے لیے عمل کا کرنا شرک ہے اور لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کا چھوڑ دینا ریا کاری ہے، اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تجھ کو ان دونوں چیزوں سے دور رکھے۔

تو آپ اپنے تمام اعمال کو اللہ سبحانہ وتعالی کے لیے خالص کر دیں اور کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہوں، نیز اپنے آپ کو اللہ کے اس قول کا تابع بنالیں: ﴿قل إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين﴾ (۲)

(اے نبی کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری عبادت، میرا مرنا، میرا جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے)

اخلاص کا اثر:

جب اعمال میں اللہ کے لیے اخلاص مضبوط ہو جائے گا تو اس کی وجہ سے عمل

(۱) بخاری و مسلم (۲) الأنعام: (۱۶۲)

کرنے والے کے درجات بھی بلند ہوں گے، ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سے کثرت نماز اور کثرت روزہ کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے بلکہ وہ ایمان جوان کے دل میں جما ہوا تھا اور اللہ کی مخلوق کے لیے جو خیر خواہی ان کے اندر تھی اس سے وہ سبقت لے گئے۔

اسی کے متعلق عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''بسا اوقات چھوٹے عمل کو نیت بڑا کر دیتی ہے اور کبھی بڑے عمل کو نیت چھوٹا کر دیتی ہے''۔ اخلاص کے ساتھ تھوڑا ہی عمل ہو تو ثواب بہت زیادہ ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربي أحدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل العظيم" (۱) ''جو شخص پاکیزہ (حلال) کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالی صرف پاکیزہ کمائی سے ہی قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالی اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے پھر وہ اسے صاحب صدقہ کے لیے بڑھاتا رہتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالتا اور بڑھاتا ہے یہاں تک کہ (وہ کھجور کے برابر صدقہ) بلند پہاڑ کے مثل ہو جاتا ہے''۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اللہ تعالی کے اس قول: "والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم" (۲) (اللہ تعالی دوگنا کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالی کشادگی والا اور علم والا ہے) کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''یعنی جس اعتبار سے اس کے عمل میں اخلاص ہوتا ہے اسی اعتبار سے برکتیں ہوتی ہیں''۔ (۳)

جب اخلاص قوی ہو جائے، نیت پختہ ہو جائے اور اس نیک عمل کو چھپا لیا جائے جس کو چھپایا جانا مشروع ہے تو وہ بندہ اپنے رب کا قریبی ہو جائے گا اور اللہ اسے اپنے

(۱) بخاری و مسلم (۲) البقرۃ: (۲۶۱) (۳) تفسیر ابن کثیر: (۱/۳۱۷)

عرش کے سایے میں جگہ دے گا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "سبعة يظلهم الله في ظله" سات قسم کے لوگوں کو اللہ اپنے سائے میں سایہ عطا کرے گا۔ اسی حدیث میں یہ بات بھی ذکر کردی: "ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه" (۱)''اور ایک وہ آدمی جو صدقہ وخیرات کرے اور وہ اس کو چھپالے یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہ جان پائے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا''۔

مخلصانہ عمل کی برکت اگرچہ عمل تھوڑا ہو:

جب بندے کی نیت خالص ہو جائے اور وہ کوئی نیک عمل کرے اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو تو اللہ اس کو قبول کرلیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "لقد رأيت رجلا يتقلب في الجنة في شجرة قطعها من ظهر الطريق كانت تؤذي المسلمين، رواه مسلم، وفي رواية مر رجل بغصن شجرة على ظهر طريق فقال والله لأنحين هذا عن المسلمين لا يؤذيهم، فأدخل الجنة" (۲)''میں نے ایک آدمی کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا، جس نے (دنیا میں) اس درخت کو کاٹ دیا تھا جو راستے کے درمیان میں تھا اور مسلمانوں کو تکلیف دیتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی ایک درخت کی ٹہنی کے پاس سے گزرا جو راستے کے درمیان تھی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم میں اس کو مسلمانوں کے راستے سے دور کروں گا تاکہ انھیں تکلیف نہ پہونچائے تو اسے (اس عمل کی وجہ سے) جنت میں داخل کردیا گیا''۔

تو یہ تھوڑا سا عمل ہے کہ کسی نے درخت کے چھوٹے سے حصہ کو راستے سے ہٹا دیا لیکن اخلاص کے ساتھ کیا ہوا عمل اللہ کی رحمت سے اسے جنت میں داخل کرائے گا۔

---

(۱) بخاری ومسلم (۲) مسلم

اوراس فاحشہ، بدکارعورت کودیکھو جو براعمل کیا کرتی تھی، اس نے ایک ایساعمل کیا جوانسانوں کے نزدیک تھوڑا ہے اور وہ کتے کو پانی پلانے کا عمل ہے، جبکہ اس نے انسان کو پانی نہیں پلایا تھا پھربھی اللہ تعالی نے اس کے برے عمل کے باوجود اس تھوڑے سے عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "بينما كلب يطيف بركية قد كاد يقتله العطش، اذ رأته بغي من بغايا بني اسرائيل فنزعت موقها فاستقت له به فسقته، فغفر لها به" (۱)''ایک کتا جو کہ ایک کنویں کے اردگرد چکر لگا رہا تھا قریب تھا کہ وہ پیاس کی وجہ سے ہلاک ہوجائے، اچانک بنی اسرائیل کی ایک زانیہ عورت نے اس کو دیکھا تو اس نے اپنے موزے کو اتارا اور اس نے اس کنویں سے پانی نکالا پھر اس کو سیراب کیا تو اس کے اس عمل سے اللہ نے اس کو معاف کردیا۔

سچی نیت کی وجہ سے آدمی عمل کا ثواب پالیتا ہے خواہ وہ عمل نہ کرے:

کرم اللہ رب العالمین کی صفات میں سے ہے جب کوئی بندہ نیکی کا ارادہ کرے اوراس کو نیک عمل کرنے کے اسباب فراہم نہ ہوسکیں تو بھی اللہ کے فضل وکرم سے اس کو اس فعل پر اجر دیا جائے گا، اگرچہ اس نے نہیں کیا، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "كنا مع النبي ﷺ في غزاة فقال: إن بالمدينة لرجالا ما سرتم مسيرا ولا قطعتم واديا إلا كانوا معكم حبسهم المرض وفي رواية: إلا شركوكم في الأجر" (۲) یعنی ہم ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا: ''یقیناً مدینہ میں کچھ لوگ ہیں کہ تم نے جتنا بھی سفر کیا اور جو بھی وادی طے کیا وہ تمہارے ساتھ رہے ہیں، ان کو (مدینہ میں) بیماری نے روک رکھا تھا، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک رہے ہیں''۔

(۱) بخاری ومسلم (۲) مسلم

عن أنس قال: رجعنا من غزوة تبوك مع النبي ﷺ فقال: إن أقواما خلفنا بالمدينة ما سلكنا شعبا ولا واديا إلا وهم معنا حبسهم العذر". (١) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے پیچھے کچھ لوگ مدینہ میں رہے ہم جس گھاٹی یا وادی میں چلے وہ (اجر وثواب میں) ہمارے ساتھ تھے کیونکہ عذر نے ان کو وہاں روکے رکھا۔

نبی کریم ﷺ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس کے پاس مال تو نہیں ہے لیکن وہ صدقہ کی نیت رکھے اور کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس کے ذریعہ فلاں کی طرح عمل کرتا تو نبی ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا: "فهو بنيته فأجرهما سواء" کہ اس کی نیت کی وجہ سے دونوں کا اجر برابر ہے، اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے رب تبارک وتعالی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "ان الله كتب الحسنات والسيئات ثم بين ذلك، فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله تبارك وتعالى عنده حسنة كاملة وان هم بها فعملها كتبها الله عشرة حسنات إلى سبع مائة ضعف إلى أضعاف كثيرة"(٢) یعنی اللہ تعالی نے نیکیاں اور برائیاں لکھ لی ہیں، پھر اس کو بیان کر دیا تو جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن اسے کر نہیں سکا تو اللہ تعالی اس کے لیے اپنے پاس ایک کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر ارادے کے مطابق اسے کر بھی لیتا ہے تو اللہ تعالی ایک نیکی کے

---

(١) بخاری، کتاب الجہاد
(٢) بخاری ومسلم

بدلے دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیوں کا ثواب اس کے لیے لکھ دیتا ہے۔

تو مسلمان کو چاہیے کہ اپنے ہر کام میں نیت کو خالص کر لے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "أفضل الأعمال صدق النية فيما عند الله" یعنی سب سے افضل عمل یہ ہے کہ آدمی کی نیت سچی ہو اس میں جو اللہ کے پاس ہے"۔

جس شخص کو یہ بات اچھی لگے کہ اس کے عمل کا ثواب اس کے لیے مکمل ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی نیت کو اچھی رکھے، اس لیے کہ اللہ تعالی بندے کو اسی وقت ثواب دیتا ہے جب اس کی نیت درست ہوتی ہو یہاں تک کہ لقمہ پر بھی ثواب دیتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ولست تنفق نفقة تبتبغي بها وجه الله إلا أجرت عليها حتى اللقمة تضعها في في امرأتك" (۱) "جو چیز بھی تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے خرچ کرتے ہو، اس پر تم کو ضرور ثواب دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو اس پر بھی اجر دیا جاتا ہے"۔

زبید یامی کہتے ہیں: "ہر چیز میں خیر کی نیت کرو یہاں تک کہ کوڑے کی طرف نکلنے میں بھی خیر کی نیت کرو"۔

داؤد طائی کہتے ہیں: "میں نے دیکھا کہ خیر پورا کا پورا حسن نیت میں جمع ہو جاتا ہے"۔

سلف صالحین رحمہم اللہ ہر اچھے کام میں اچھی نیت پر ابھارتے تھے۔ یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں: "نیت کو سیکھو کیونکہ یہ عمل سے زیادہ اہم ہے"۔

اخلاص کے اچھے پھل:

نیک عمل اخلاص ہی کی وجہ سے قبول ہوتا ہے بغیر اخلاص کے نیک عمل بیکار ہوتا

---

(۱) بخاری و مسلم

ہے، اگر چہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو اور اخلاص بندوں پر شیطان کے حاوی ہونے سے روکنے والا ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے ابلیس کے متعلق فرمایا: ﴿قال فبعزتك لأغوينهم أجمعين الا عبادك منهم المخلصين﴾ (۱) (تو شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکادوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جوان میں مخلص ہوں)

مخلص آدمی نافرمانی اور مکروہات سے اللہ کی حفاظت میں ہے، اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء إنه من عبادنا المخلصين﴾ (۲) (اس وجہ سے تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور کردیں، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے)۔

اخلاص بلندی درجات کا باعث ہے اور نیکیوں کی طرف راستہ ہموار کرنے کا سبب ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "إنك لن تخلف فتعمل عملا تبتغي به الله الا ازددت به درجة ورفعة" (۳) ''تم کبھی بھی پیچھے نہیں رہو گے کہ تم جو بھی عمل اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے اس سے تمہارے درجے میں زیادتی اور بلندی ہی ہوگی''۔

اخلاص میں دل کا سکون، نیک بختی کا احساس اور مخلوق کی ذلت سے راحت واطمینان ہے، فضیل بن عیاض کہتے ہیں: ''جو لوگوں کو پہچان لے وہ راحت میں رہے گا'' یعنی جب وہ یہ جان لے کہ لوگ نہ تو اسے نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان تو وہ راحت میں رہے گا۔

اپنے تمام اعمال میں میں کیسے اللہ کے لیے مخلص ہو سکتا ہوں؟

شیطان انسان کے نیک اعمال کو خراب کرنے کے درپے رہتا ہے اور مومن آدمی ہمیشہ اپنے دشمن ابلیس سے جہاد میں ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے ایمان کی

(۱) ص: (۸۲-۸۳) (۲) یوسف: (۲۴) (۳) بخاری ومسلم

حالت میں اور تمام اعمال کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے ملتا ہے، اخلاص کے اہم محرکات میں سے درج ذیل امور ہیں:

۱-دعا:

ہدایت اللہ تبارک وتعالی کے ہاتھ میں ہے اور انسان کا دل رحمٰن کی دونوں انگلیوں کے درمیان ہے جس طرح چاہتا ہے اللہ رب العالمین اس کو الٹتا پلٹتا ہے تو اسی سے پناہ طلب کرو جس کے ہاتھ میں ہدایت ہے اور اپنی ضروریات اور محتاجگی اسی کے اوپر پیش کرو اور ہمیشہ اس سے اخلاص کا سوال کرو، کیونکہ اکثر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے: "اللهم اجعل عملي كله صالحا واجعله لوجهك خالصا ولا تجعل لأحد فيه شيئا"۔ اے اللہ تو میرے سارے عمل کو نیک بنادے اور اس کو اپنے لیے خالص بنالے، اور اس میں کسی دوسرے کے لیے کچھ بھی مت بنا۔

۲-عمل کو پوشیدہ رکھنا:

جس عمل کا چھپانا مشروع ہے اسے جس قدر چھپایا جاتا ہے اس کی قبولیت کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے اور اس طرح کے عمل میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے، اور سچا مخلص اپنی نیکیوں کو اسی طرح چھپانا پسند کرتا ہے جیسے وہ اپنی برائیوں کو چھپانا پسند کرتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: "سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله، إمام عادل، وشاب نشأ في عبادة الله، ورجل قلبه معلق بالمساجد، ورجلان تحابا في الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال إني أخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه، ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه" (۱) یعنی سات آدمی ہیں کہ اللہ تعالی

(۱) بخاری ومسلم

ان کو قیامت کے دن اپنے (عرش کے) سایے کے نیچے جگہ دے گا جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا: (۱) انصاف کرنے والا حکمراں (۲) وہ نوجوان جس کی نشو ونما اللہ تعالی کی عبادت میں ہوئی ہو (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو (۴) وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، اسی پر وہ باہم جمع ہوتے ہیں اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں (۵) وہ آدمی جسے کوئی حسین وجمیل عورت گناہ کی طرف بلائے لیکن وہ اس کے جواب میں کہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ آدمی جس نے کوئی صدقہ کیا اور اسے چھپالیا یہاں تک کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جان سکا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا (۷) اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں (اللہ کے خوف) سے بہہ پڑیں۔

بشر بن حارث کہتے ہیں: ''تم کسی عمل کو شہرت کے لیے نہ کرو، تم نیکی کو ایسے ہی چھپاؤ جیسے برائی کو چھپاتے ہو، اور (جان لو کہ) رات کی نفلی نماز کو دن کی نفلی نماز پر فضیلت دی گئی ہے اور صبح کے وقت استغفار کرنے کو اس کے علاوہ استغفار پر فضیلت دی گئی ہے اس لیے کہ یہ پوشیدہ رکھنے کا انتہائی درجہ ہے اور اخلاص سے بھی بہت قریب ہے''۔

۳- ان نیک لوگوں کے اعمال پر نظر رکھنا جو تم سے اوپر ہوں:

اپنے نیک اعمال میں اپنے زمانے کے ان لوگوں کے اعمال کی طرف نہ دیکھو جو نیکی کے کام میں سبقت کرنے میں تجھ سے کمتر ہوں، بلکہ ہمیشہ انبیاء اور نیک لوگوں کی اقتداء پر نظر رکھو، اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے: ﴿أولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده، قل لا أسألكم عليه أجرا إن هو إلا ذكرى للعالمين﴾ (۱) (یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالی نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی انہی کے طریقے

(۱) الانعام: (۹۰)

پر چلیئے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ تو صرف تمام جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے) لہذا نیک علماء، عبادت گذار، شریف اور زاہد لوگوں کی سیرت کو پڑھو، کیونکہ اس سے دل میں ایمان کی زیادتی کی امید ہے۔

۴-اپنے عمل کو حقیر سمجھنا:

بندے کی پریشانی (نقصان) اس کا اپنے آپ سے راضی ہو جانا ہے، جس شخص نے اپنے آپ کو رضامندی کی نگاہ سے دیکھا تو اس نے خود کو ہلاک کر دیا، اور جس شخص نے اپنے عمل کو غرور کی نگاہ سے دیکھا تو اس کی وجہ سے اس کے اخلاص میں کمی واقع ہوگئی یا اس کا اخلاص ختم ہو گیا یا عمل کے بعد اس کا نیک عمل برباد ہو گیا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں: ''ایک آدمی اپنے برے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا، اور ایک آدمی اپنے نیک عمل کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گیا'' ان سے کہا گیا کہ ایسا کیسے ہوا؟ تو انھوں نے کہا: جس آدمی نے برا عمل کیا اور ہمیشہ اپنے گناہ کی وجہ سے اللہ رب العالمین کی سزا سے ڈرتا رہا تو جب اس نے اللہ سے ملاقات کی تو اللہ نے اس کو اس کے خوف کی وجہ سے بخش دیا، اور وہ آدمی جس نے نیک عمل کیا لیکن ہمیشہ اس نیک عمل کی وجہ سے غرور میں رہا تو جب اس نے اپنے عمل کے ذریعہ اللہ سے ملاقات کی تو اللہ نے اس کو جہنم میں داخل کر دیا''۔

۵-عمل کی عدم قبولیت کا ڈر:

ہر نیک عمل جو کرتے ہو اس کو حقیر جانو اور جب عمل کر لو تو اس کے قبول نہ ہونے سے ڈرتے رہو، کیونکہ سلف صالحین دعا کرتے تھے: "اللهم إنا نسألك العمل الصالح وحفظه" اے اللہ! ہم تجھ سے عمل صالح کا اور اس کی حفاظت کا سوال کرتے ہیں۔ عمل کی حفاظت یہی ہے کہ آدمی اس پر غرور اور فخر میں مبتلا نہ ہو بلکہ اس کے قبول نہ ہونے کا خدشہ لاحق رہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: ﴿ولا تكونوا كالتي

نقضت غزلها من بعد قوة أنكاثا تتخذون أيمانكم دخلا بينكم أن تكون أمة هي أربى من أمة إنما يبلوكم الله به وليبينن لكم يوم القيامة ما كنتم فيه تختلفون﴾ (۱)(اس عورت کی طرح نہ ہوجاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ، اس لیے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہوجائے، بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ نہیں آزمار ہا ہے، یقیناً اللہ تعالی تمہارے لیے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کردے گا جس میں تم اختلاف کررہے تھے)۔

ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی وہ لوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ عمل کے قبول نہ ہونے کے خوف سے ڈرے سہمے رہتے ہیں، اس لیے کہ ان کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں دینے کی شرائط کو پورا کرنے میں کوتاہی کی ہے''۔(۲)

امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ﴿والذين يؤتون ما آتوا وقلوبهم وجلة أنهم إلى ربهم راجعون﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو چوری کرتے ہیں، زنا کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور پھر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اے ابوبکر صدیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں، پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی نیکیاں قبول نہ ہوں''۔(۳) اخلاص میں اس بات کی ضرورت ہے کہ عمل سے پہلے بھی مجاہدہ کیا جائے اور عمل کے دوران، پھر اس کے بعد بھی۔

٦-لوگوں کے کلام سے متاثر نہ ہونا:

نیک آدمی لوگوں کی تعریف سے خوش نہیں ہوتا ہے، بلکہ جب لوگ اس کی کسی

---
(۱) النحل: (۹۲) (۲) تفسیر ابن کثیر: (۳/۲۴۸) (۳) مسند احمد وترمذی

نیک عمل پر تعریف کرتے ہیں تو اس کے اندر خاکساری اور اللہ کا ڈر زیادہ ہوتا ہے، اور وہ یقین کر لیتا ہے کہ لوگوں کی تعریف اس کے لیے آزمائش اور فتنہ ہے، اسی وجہ سے وہ اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ اس کو اس فتنے سے نجات دے دے، کیونکہ کوئی آدمی کسی کی تعریف کر کے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا ہے، اور نہ کسی کی برائی کر کے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے، سوائے اللہ کے، لہذا تم لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور نقصان کو دور کرنے کے معاملہ میں قبر والوں کے درجے میں شمار کرتے رہو، ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مخلوق کی طرف توجہ نہ دیتے ہوئے اور ان کے دلوں میں اپنے لیے مقام و مرتبے کی خواہش کو مٹاتے ہوئے اس طرح عمل کیا جائے کہ مقصد کو خالص رکھا جائے اور اپنے حال کو پردے میں رکھا جائے، یہ وہ چیز ہے جو انسان کو بلندی اور رفعت عطا کرتی ہے۔(۱)

۷- یہ احساس رکھنا کہ لوگ جنت وجہنم کے مالک نہیں ہیں:

جب بندہ کے اندر یہ شعور پیدا ہو جائے کہ جن کے لیے وہ ریاکاری کر رہا ہے وہ بھی اسی کے ساتھ میدان محشر میں خوف اور شرم سے کھڑے ہوں گے تو وہ جان لے گا کہ نیت کو اس کی جانب کرنا غیر مناسب ہے، اس لیے کہ وہ لوگ میدان محشر کی سختی کو اس سے ہلکا نہیں کر پائیں گے بلکہ وہ لوگ بھی اسی کے ساتھ تنگی اور مصیبت میں ہوں گے، جب تم نے اس کو جان لیا تو تم نے یہ بھی جان لیا کہ عمل میں خلوص کا حق ہے کہ صرف اس کے لیے رکھا جائے جو جنت وجہنم کا مالک ہے۔ لہذا مومن پر یہ یقین کر لینا واجب ہے کہ لوگ جنت کے مالک نہیں ہیں کہ تم کو اس میں داخل کرا دیں، اور نہ ان کو اس کی طاقت حاصل ہے کہ وہ تم کو جہنم سے نکال دیں، بلکہ اگر تمام انسان آدم سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک جمع ہو جائیں اور تمہاری حمایت میں کھڑے ہوں تو وہ جنت کی طرف تم کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے، تب تم کیوں لوگوں کو دکھلاتے ہو

---

(۱) صید الخاطر: (ص ۲۵۱)

جبکہ وہ تمہارے لیے کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں۔

ابن رجب رحمہ اللہ نے کہا: ''جس نے روزہ رکھا، نماز پڑھی اور اللہ کا ذکر کیا اور اس سے اس کا مقصد دنیا طلبی ہے تو اس میں اس کے لیے کلی طور پر کوئی خیر نہیں ہے، اس لیے کہ ایسے عمل کرنے والے کے لیے اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس میں گناہ ہے اور اس میں دوسرے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔(۱)

اگر تم نے اپنے عمل کو لوگوں کے لیے مزین کیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ لوگ تیری تعریف کریں گے تو تم ہرگز ان سے اپنی مراد کو حاصل نہیں کر سکتے بلکہ وہ لوگ تیری برائی ہی بیان کریں گے اور لوگوں کی جانب سے برائی ہی ظاہر ہوگی اور ان کے دلوں میں تیرا بغض بیٹھ جائے گا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من يرائي يراء الله به" (۲) جس نے دکھلاوے کے لیے کام کیا تو اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کرے۔

لیکن جب تم کسی عمل کو اخلاص کے ساتھ کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمام مخلوق تم سے محبت کرے گی، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات سيجعل لهم الرحمن ودا﴾ (۳) (بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیا ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کر دے گا)

۸-تم یہ بات یاد رکھو کہ قبر میں تم اکیلے رہو گے:

نفوس کی اصلاح اپنے ٹھکانے کو یاد کر کے ہوتی ہے، اگر بندہ یقین کر لے کہ وہ قبر میں بغیر کسی ساتھی کے اکیلا ہوگا اور اس کو نیک عمل کے علاوہ کوئی چیز نفع نہیں دے گی، اور یہ کہ تمام لوگ ہرگز ہرگز اس سے قبر کے عذاب کو ٹال نہیں سکتے، کیونکہ تمام معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے تو اس وقت بندے کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خالص عمل ہی اس کو نجات دلا سکتا ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے

---

(۱) جامع العلوم والحکم: (۱/۶۷) (۲) مسلم (۳) مریم: (۹۶)

ہیں: ''اللہ سے ملاقات کے لیے سچائی کے ساتھ تیاری کرنا ان امور میں سے ہے جو بندے کے لیے سب سے نفع بخش اور استقامت کے حصول کے لیے سب سے فائدہ مند ہے، تو جس نے اللہ سے ملاقات کی تیاری کی تو اس کا دل دنیا اور دنیا کی لذتوں سے ہٹ گیا (منقطع ہوگیا)۔(۱)

کیا نیک لوگوں میں بھی ریا کاری ہوتی ہے؟:

شیطان بندے کے اوپر مختلف طریقے سے داخل ہوتا ہے اور ہر قسم کے لباس میں ملبوس ہوجاتا ہے، تو تاجر کو سود کھانے پر ابھارتا ہے، عورتوں کے لیے حرام زیب وزینت کو بنا سنوار کر پیش کرتا ہے اور نیکو کاروں کے یہاں ریا کاری کے دروازے سے داخل ہوجاتا ہے۔ طیبی نے ریا کاری کے بارے میں کہا: ''یہ نفس کی سب سے خطرناک ہلاکت خیزیوں میں سے اور اس کے پوشیدہ مکر وفریب میں سے ہے۔ جس کے ذریعہ علماء، عبادت گذار اور آخرت کے لیے بے حد کوشش کرنے والے لوگ آزمائے جاتے ہیں''۔ درحقیقت ریا کاری بندہ کے لیے سب سے پوشیدہ دروازوں میں سے اور سب سے زیادہ نقصان دہ امور میں سے ہے۔

صاحب تیسیر العزیز الحمید فرماتے ہیں: ''ریا کاری نیک لوگوں کے تعلق سے فتنہ دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے''۔(۲) اور نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کو اس چیز سے ڈراتے تھے اور ان لوگوں سے کہتے تھے کہ کیا میں تم لوگوں کو ایسی چیز کی طرف رہنمائی نہ کردوں جو میرے نزدیک تم لوگوں کے اوپر دجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ صحابہ کرام نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: ''وہ شرک خفی ہے کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور اپنی نماز کو اس شخص کے لیے بنا تا سنوارتا ہے جو

---

(۱) طریق الہجرتین: (ص۲۹۷)

(۲) تیسیر العزیز الحمید: (ص۳۵۴)

اسے دیکھتا ہے''۔(۱)

نیک آدمی جب عمل کے ذریعہ ریاکاری کرے گا تو اس کو دوسرے لوگوں سے پہلے عذاب دیا جائے گا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''قیامت میں سب سے پہلے ایک شہید کا فیصلہ کیا جائے گا تو اس کو لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور شہید ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، اللہ اس سے پوچھے گا: تو نے ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کے لیے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا اللہ تعالی ارشاد فرمائے گا: تو جھوٹا ہے بلکہ تم نے بہادر کہلوانے کے لیے جنگ کی پس تو دنیا میں بہادر کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ آدمی لایا جائے گا جس نے خود علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور قرآن پڑھا، اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ اس کا اقرار کرے گا تب اللہ تعالی اس سے پوچھے گا: ان نعمتوں سے کیا عمل کیا، وہ کہے گا: میں نے خود علم سیکھا اور لوگوں کو سکھلایا اور تیرے ہی لیے میں نے قرآن پڑھا، اللہ تعالی کہے گا: تو جھوٹا ہے، بلکہ تم نے علم اس لیے سیکھا تا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور تو نے قرآن کو اس لیے پڑھا تا کہ تجھے قاری کہا جائے، تو دنیا میں عالم اور قاری کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر ایک ایسا آدمی لایا جائے گا جسے اللہ نے دنیا میں وسعت اور ہر طرح کی دولت سے نوازا تھا، اللہ تعالی اس سے بھی اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ آدمی اس نعمت کا اقرار کرے گا، تو اللہ تعالی کہے گا: تو نے میری نعمتوں کو پا کر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: یا اللہ! میں نے تیری راہ میں ان تمام جگہوں پر مال خرچ کیا جہاں تجھے مال خرچ کرنا پسند تھا، اللہ تعالی کہے گا: تو جھوٹا ہے، تو نے مال صرف اس لیے خرچ کیا ہے تا کہ لوگ تجھے سخی

---

(۱) مسند أحمد

کہیں اور دنیا میں تجھے سخی کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم ہوگا اور اسے بھی منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔(۱)

تو اس حدیث میں غور کرو کہ سب سے پہلے قیامت کے دن جس کا فیصلہ کیا جائے گا وہ مجاہد، عالم اور صدقہ دینے والا ہوگا، لیکن جب ان کی نیت خراب ہوگئی تو ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم رسید کر دیا گیا، جبکہ جو عمل انھوں نے کیا وہ اللہ کے نزدیک سب سے اچھے اعمال میں سے ہے، لیکن نیت میں اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے وہ جہنم رسید کر دیئے گئے۔

یہ عمل ریا میں سے نہیں ہے:

جس شخص نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کوئی کام کیا پھر اللہ رب العالمین نے اس کی تعریف کو مومنوں کے دلوں میں ڈال دیا، حالانکہ اس نے لوگوں سے تعریف نہیں چاہی تو وہ اللہ کے فضل سے خوش اور راضی ہوگیا، تو یہ چیز اس کو نقصان نہیں دے گی اور نہ ہی یہ عمل ریا کاری میں شامل ہوگا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''یہ مومن کے لیے جلد آنے والی خوشخبری ہے'' (۲) لیکن جس نے کوئی نیک عمل کر کے اس کو سنوارا صرف اس وجہ سے کہ لوگ اس کی اس عمل پر تعریف کریں تو یہ ریا کاری ہوگی۔

ریا کار کا انجام:

ریا کار کی امیدیں برباد ہوگئیں اور اس کی کوشش بیکار ہوگئی، کیونکہ اس کی خواہش کے برعکس اس کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہے اور اس کے لیے دو سزائیں مرتب کی گئی ہیں، ایک سزا دنیا میں اور دوسری سزا آخرت میں۔

---

(۱) مسلم (۲) مسلم

ریا کار کی سزا دنیا میں:

ریا کار کو اللہ رب العالمین دنیا میں رسوا کر دیتا ہے اور اس کے پردے کو چاک کر دیتا ہے اور اس کے پوشیدہ خیال کو ظاہر کر دیتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص سنانے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالی اسے سنا دے گا، اور جو شخص دکھانے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالی اسے دکھا دے گا''۔(۱)

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے بغیر اخلاص کے کوئی کام کیا اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے اس کام کو لوگ دیکھیں اور تعریف کریں تو اسے اس طرح کا بدلہ دیا جائے گا کہ اللہ اسے شہرت دے دے گا، اور اسے رسوا کر دے گا، اور جو کچھ چھپائے رکھا ہے اس کو ظاہر کر دے گا، اگر چہ ریا کار دل کی بات کو اور سینے کے راز کو چھپائے تو بھی اللہ اس کو ظاہر کر دے گا''۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو کوئی چیز نہیں دی گئی لیکن وہ اس کا جھوٹ موٹ اظہار کرتا ہے تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہوتا ہے''۔(۲)

ریا کار کی سزا آخرت میں:

ریا کار کے لیے آخرت میں جہنم کی وعید سنائی گئی، اللہ تعالی نے فرمایا: "من كان يريد الحياة الدنيا وزينتها نوف إليهم أعمالهم فيها، وهم فيها لا يبخسون" (۳) (جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت سے فریفتہ ہونا چاہتا ہو تو ہم ایسوں کو ان کے کل اعمال کا بدلہ یہیں دے دیتے ہیں اور یہاں انھیں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے)

صحیح مسلم کی حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے قیامت کے دن جس کا فیصلہ کیا جائے گا......، اسی حدیث میں ہے کہ وہ شہید، قرآن کا قاری اور صدقہ دینے والا ہوگا، یہ ایسے لوگ ہوں گے جنھوں نے ان تمام اعمال کو غیر اللہ

(۱) مسلم (۲) بخاری (۳) ھود: ۱۵

کے لیے بجالایا تو ان سے کہا جائے گا کہ تو جھوٹا ہے، لیکن تم نے یہ کام اس لیے کیا ہے تا کہ تجھ کو اس طرح کہا جائے تو تو دنیا کے اندر کہا گیا پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو چہرے کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ جہنم میں ڈال دیا جائے (یعنی چہرے کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا) تو ریاکار دنیا میں رسوا ہوگا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا۔

دین کے ذریعہ دنیا طلب کرنا:

دین اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو دنیا کی گندگی سے لت پت کیا جائے اور نیک عمل صرف اخلاص کے ذریعہ اپنی بنیاد پر قائم کیا جاسکتا ہے، جس شخص نے آخرت کے اعمال کو دنیاوی مقصد کی جانب پھیر دیا تو اس کو سزا دی جائے گی، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص ان علموں میں سے کوئی علم سیکھے جس کے ذریعہ اللہ رب العالمین کی رضامندی حاصل کی جاتی ہے، لیکن وہ اس لیے سیکھتا ہے کہ اس سے دنیا کا ساز وسامان حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا''۔(۱)

نیک عمل بری نیت کے ساتھ اگر چہ زیادہ ہو عمل کرنے والے کو جہنم میں پہنچا دیتا ہے، کیونکہ اللہ رب العالمین نے منافقوں کے بارے میں بتلایا ہے کہ وہ لوگ نماز پڑھتے تھے، اللہ کے راستے میں خرچ کرتے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے منافقوں کے بارے میں بتلایا کہ وہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے کہا: "مثل المنافق الذي يقرأ القرآن كالريحانة ريحها طيب وطعمها مر" (۲) منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے خوشبودار پودے کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا مزہ کڑوا (تلخ) ہے''۔ اور ان کے خلوص میں سچائی نہ ہونے کی وجہ سے ہی اللہ تبارک وتعالی نے ان کے

(۱) ابوداؤد (۲) بخاری ومسلم

بارے میں فرمایا: ﴿ان المنافقين في الدرك الأسفل من النار ولن تجد لهم نصيرا﴾ (۱) (منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے)

پہلا گروہ جسے جہنم میں ڈالا جائے گا وہ قرآن کا قاری، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اور اپنے مال کا صدقہ کرنے والا ہوگا، جس کو ان لوگوں نے خالص اللہ کے لیے نہ کیا ہوگا، ان لوگوں نے صرف اس لیے کیا تا کہ دنیا میں کہا جائے کہ فلاں قاری ہے، فلاں بہادر ہے اور فلاں سخی ہے۔ اس لیے اپنے قول وعمل سے ایسی چیز کو چاہو جو اللہ کے پاس ہے، کیونکہ وہ باقی رہنے والا ہے اور اسکے علاوہ جو بھی ہے فنا اور برباد ہونے والا ہے۔

جب بندہ کوئی ایسا کام کرے جس کے ذریعہ وہ خیر کے مقصد کو ظاہر کرے، حالانکہ اس کی نیت اس کام کے کرنے میں دنیاوی مقصد کا حصول ہو تو ایسا عمل نفاق عملی کی ایک قسم ہے، ابن رجب رحمہ اللہ نے کہا: ''نفاق عملی کی عظیم ترین خصلتوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کوئی عمل کرے اور ظاہر کرے کہ اس نے اس عمل کے ذریعہ بھلائی کا ارادہ کیا ہے، حالانکہ اس نے وہ عمل کسی برے مقصد کو پانے کے لیے کیا تھا، چنانچہ اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، اور اس سے وہ اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے اور وہ اپنی مکاری، دھوکہ بازی اور اپنے ظاہری عمل پر لوگوں کی تعریف سے خوش ہوتا ہے اور وہ اپنے اس برے مقصد کو پہنچ جاتا ہے جو اس کے باطن میں تھا، یہی وہ چیز ہے جسے قرآن میں اللہ نے منافقوں اور یہودیوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے''۔ (۲) اور جو شخص ایسے عمل پر تعریف کو پسند کرتا ہے جس کو اس نے کیا ہی نہیں تو ایسا کرنے والے کے لیے جہنم کی وعید ہے، اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿لا تحسبن الذين يفرحون

(۱) النساء: (۱۴۵)   (۲) جامع العلوم والحکم: (۴۹۳/۲)

بما أتوا ويحبون أن يحمدوا بما لم يفعلوا فلا تحسبنهم بمفازة من العذاب ولهم عذاب أليم﴾ (۱)(وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں، آپ انھیں عذاب سے چھٹکارا میں نہ سمجھئے، ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے)

توکل کی اہمیت:

توکل دین کے مراتب میں سے ایک بلند مرتبہ ہے، اس کو اللہ نے اپنے اس فرمان میں عبادت کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے: ﴿فاعبده فتوكل عليه﴾ (۲) (اس کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو)

اور اللہ نے توکل کو اپنی محبت پانے کا ذریعہ بنا دیا، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إن الله يحب المتوكلين﴾ (۳)(بے شک اللہ تعالی توکل کرنے والے کو پسند کرتا ہے)

توکل میں رحمان کی خوشنودی اور شیطان کی محرومی و ناراضگی ہے۔ تمام رسول علیہم السلام توکل کرنے والوں کے امام ہیں۔ اللہ کے خلیل نے کہا: ﴿ربنا عليك توكلنا وإليك أنبنا وإليك المصير﴾ (۴)(اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے)

اور شعیب علیہ السلام نے کہا: ﴿وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب﴾ (۵)(میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں)

جو شخص توکل پر پورا اترے گا وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوگا۔ دنیا کے امور اور زینت میں کبھی کبھی سستی کرنے والا وہ چیزیں پالیتا ہے جو مستقل لگے رہنے والا حاصل نہیں کر پاتا اور عاجز ولاچار شخص وہ چیز حاصل کر لیتا ہے جو دور اندیش انسان سے چوک

(۱) آل عمران: (۱۸۸) (۲) ھود: (۱۲۳) (۳) آل عمران: (۱۵۹)
(۴) الممتحنۃ: (۴) (۵) ھود: (۸۸)

جاتی ہے، اس سلسلے میں انسان کو اگر کوئی چیز مقدم کر سکتی ہے تو وہ اللہ تعالی پر توکل ہے۔
جب امام احمد سے توکل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''توکل یہ ہے کہ ہر قسم کی تاک جھانک کو منقطع کر دیا جائے اس طرح کہ ساری مخلوق سے مایوس ہو جائے''۔ یہ جان لو کہ اسباب کو اختیار کر لینا ہی مطلوب کے پورا ہونے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے:

اسباب (وسیلے) کی طرف مکمل توجہ دینا توحید میں کمی کی نشانی ہے اور اسباب کو اسباب نہ سمجھنا عقل کے منافی ہے اور جن اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اعراض کرنا شریعت کی توہین ہے۔ بندے پر ضروری ہے کہ اس کا دل اللہ پر اعتماد کرنے والا ہو نہ کہ اسباب اور وسیلے پر۔

توکل کی حقیقت: توکل کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اسباب کو اختیار کرے اور دلی اعتماد اللہ پر رکھے اور یہ یقین رکھے کہ تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ چاہے تو اسباب کے تقاضے کو روک لے اور اگر وہ چاہے تو اس کے احکام کو اس کے تقاضے کے برعکس کر دے، اور اگر چاہے تو ایسی رکاوٹیں پیدا کر دے جو اس کے تقاضے کو پورا ہونے ہی نہ دے، ایک سچا موحد و متوکل اسباب پر مکمل اعتماد کر کے اس سے مطمئن نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو چھوڑ دیتا ہے، بلکہ اسباب کو اختیار کرتا ہے اور ان کو پیدا کرنے والے کی طرف اپنی توجہ رکھتا ہے، اور جان لو کہ اپنے رب کے ساتھ تمہارا گمان اور امید جتنی اچھی ہوگی اس پر تمہارا توکل اتنا مضبوط ہوگا۔ حقیقی توکل ان اسباب میں کوشش کرنے کے منافی نہیں ہے جن کو اللہ نے چیزوں کے حصول کے لیے مقدر کیا ہے بلکہ اللہ نے توکل کے ساتھ اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، پس اعضاء وجوارح سے اسباب میں کوشش کرنا اللہ کی اطاعت ہے اور دل سے اس کے اوپر توکل

کرنا اس کے اوپر ایمان ہے۔

لوگوں کو عام طور پر حقیقی توکل اور اپنے دل سے ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کی توفیق بہت کم ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اپنے کو صرف اسباب میں لگائے رکھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آدمی اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرلے اور اپنی حاجتیں اسی کی جناب میں پیش کرے، اسی سے التجا کرے اور اپنے تمام معاملات اسی کے حوالہ کردے تو اللہ تعالی اس کی تمام ضرورتوں کو پوری کرتا ہے اور اس کی ہر مشکل کو آسان کرتا ہے، لیکن جو آدمی اللہ کے علاوہ سے اپنا تعلق مضبوط کرے، یا اپنے علم وعقل اور سمجھ پر بھروسہ کرے اور اپنی طاقت وقوت پر اعتماد کرے تو اللہ تعالی اسے اسی کے حوالہ کردیتا ہے اور اس کی کوئی مدد نہیں ہوتی پھر وہ معاشرہ میں رسوا ہوتا ہے، ایسا آدمی حد درجہ محنت کرتا ہے لیکن اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے، حالانکہ اگر آدمی حقیقی طور پر اپنے دل سے اللہ پر توکل کرے تو اللہ تعالی اسے ادنی سبب سے بھی روزی دیتا ہے، جیسے چڑیوں کو صرف صبح وشام آنے اور جانے سے روزی ملتی ہے۔

اللہ پر توکل کے ثمرات:

توکل میں دل کو راحت، ہر قسم کے حالات میں قلبی سکون اور بروں کی چالوں سے بچاؤ ہے، توکل ان قوی ترین اسباب میں سے ہے کہ جس کے ذریعہ آدمی لوگوں کے ناقابل برداشت ظلم وتکلیف کو دور کرلیتا ہے، اور توکل ہی کے ذریعہ نفس انسانی ان تمام چیزوں سے مستغنی ہوجاتا ہے جو لوگوں کے پاس ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے کسی مخلوق سے امید لگائی یا کسی مخلوق پر بھروسہ کیا تو خائب وخاسر ہوا، اور جس نے اپنے معاملے کو اپنے مولی یعنی اللہ رب العالمین کے

سپرد کیا تو اس نے امید اور خواہش کو پالیا''۔(۱) زکریا علیہ السلام جب انتہائی بوڑھے ہوگئے تو ان کو فاضل ترین انسان اور ہونے والے نبی کی خوشخبری دی گئی، ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو بچے کی بشارت دی گئی تو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی اپنی حالت سے مایوسی کی وجہ سے کہنے لگی: ﴿قالت یا ویلتیٰ ء ألد وأنا عجوز وهذا بعلي شیخا ان هذا لشيء عجاب﴾ (۲) (وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی! میرے ہاں اولاد کیسے ہوسکتی ہے، میں ایک بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بہت عمر کے ہیں، یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجر علیہا السلام اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ایک ایسی وادی میں چھوڑ دیا جس میں نہ تو کھیتی تھی اور نہ ہی پانی، اس پر بھی وہ (اسماعیل) ایسے نبی بن کر نکلے جو اپنے اہل کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتے تھے۔ یونس علیہ السلام بھی چٹیل میدان میں رہ کر ضائع اور ہلاک نہیں ہوئے۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ اگر آپ مخلوق سے مایوس اور نامراد ہو جائیں تو آپ کا پروردگار آپ کو ہر وہ چیز دے گا جو آپ خواہش کریں گے۔ پس اپنے آپ کو باری تعالی کے سپرد کردو، اپنی امیدیں اسی سے لگائے رکھو، تمام معاملے رحیم (رحم کرنے والے رب العالمین) کے حوالہ کردو، مخلوق سے دل لگانا بند کردو اور صرف اللہ سے امید رکھو۔

جب توکل اور امید (رجاء) مضبوط ہو جائے اور دل دعا میں لگ جائے تو مانگی ہوئی دعا لوٹائی نہیں جائے گی ﴿أمن يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الأرض أإله مع الله قليلا ما تذكرون﴾ (۳) (بے بس کی پکار کو جب وہ پکارتا ہے کون قبول کرتا ہے اور سختی کو دور کرتا ہے؟ اور تمہیں

(۱) الفتاوی: (۱۰/۲۵۷) (۲) ھود: (۷۵) (۳) النمل: (۶۲)

زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ تعالی کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہو)۔ آپ اللہ کی جانب خشوع اور خاکساری والے دل سے پناہ پکڑیے تو اللہ آپ کے لیے دروازہ کھول دے گا۔

روزی کا طلب کرنا:

روزی کی طلب میں کوشش کرنا ہی بہت سارے لوگوں کی بڑی فکر ہے۔ چھوٹے اور بڑے سب اسی کی تلاش میں سرگرداں ہیں، اور زندگی کی زیادہ فکر وگفتگو اسی کے اردگرد گھوم رہی ہے، لیکن چالاک مومن رزق کے تمام امور کو رازق کے حوالہ کردیتا ہے۔ پس جو روزی تم کو ملنے والی ہے وہ تمہاری کمزوری کے باوجود تم تک آکر رہے گی اور جو تم کو نہیں ملنے والی ہے وہ تمہاری قوت کے باوجود حاصل ہونے والی نہیں ہے۔ پس اپنی عمر کو اس روزی کی فکر میں لگا کر ضائع نہ کرو جس کی تمہارے لیے ضمانت لی گئی ہے، کیونکہ جب تک زندگی باقی ہے روزی آتی رہے گی، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وما من دابة في الأرض إلا على الله رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها كل في كتاب مبين﴾ (۱) (زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ پر ہیں، وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے)۔

بعض سلف صالح نے کہا کہ آپ توکل کیجئے روزی آپ کی جانب بغیر کسی تکلیف وتکان کے آجائے گی۔

پس بندے پر ضروری ہے کہ وہ اس رزق پر قناعت کرے جو اللہ رب العالمین نے اس کو دیا ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''بندے اور اس کے رزق کے درمیان

---

(۱) ھود: (٦)

حجاب ہے، اگر وہ قناعت کرلے اور اپنے آپ کو راضی کرلے تو اس کا رزق اس کے موافق ہوگا، اور اگر وہ اس کو حقیر سمجھے اور پردے کو چاک کردے تو اس کا رزق زیادہ نہیں ہوگا''۔

جس شخص نے دنیا میں اپنے کمتر (نیچے والوں) کی جانب دیکھا تو اس نے اپنے دل کو دنیا کی مالداری سے بھرلیا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "انظروا إلى من هو دونكم في الدنيا وانظروا إلى من فوقكم في الدين" (۱) دنیا کے معاملہ میں تم ان کی طرف دیکھو جو (مال واسباب کے لحاظ سے) تم سے کمتر ہوں اور دین کے معامل میں ان کی طرف دیکھو جو تم سے اوپر ہوں۔

پس رزق کو طلب کرنے کے سلسلے میں اپنے دل سے اللہ پر توکل کرنے والے ہوجاؤ، رزق کے لیے اللہ رب العالمین پر اعتماد کے ساتھ ساتھ اسباب ووسائل کو اختیار کرتے ہوئے اپنے اعضاء وجوارح سے کوشش کرو، لیکن زندگی میں اپنی امیدیں پوری کرنے کی حرص سے بچو، کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جو تم کو توکل کی حد سے نکال دے گی، پس مقصد کو حاصل کرنے کی حرص وفکر کرو اور بغیر دل کے اعتماد کے اسباب کو اختیار کرتے رہو، کیوں کہ جب اللہ عزوجل اپنی حکمت سے آپ پر اپنے راستوں میں سے کوئی راستہ بند کرے گا تو اپنی رحمت سے آپ کے لیے کوئی دوسرا راستہ جو پہلے والے راستے سے زیادہ نفع بخش ہوگا کھول دے گا۔ جو آدمی لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہونا چاہے اسے چاہیے کہ اللہ تعالی پر توکل کرے، اور جو آدمی لوگوں میں سب سے زیادہ مالدار ہونا چاہے اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے زیادہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس سے اپنے کو باندھے۔

اللہ کے ساتھ حسن ظن:

نیک شگونی اللہ کے ساتھ حسن ظن ہے، نبی کریم ﷺ اس کو بہت پسند فرماتے

---

(۱) بخاری

تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "يعجبني الفأل" مجھ کو نیک شگونی پسند آتی ہے، صحابہ کرام نے پوچھا: نیک شگونی کیا چیز ہے؟ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''پاکیزہ کلمات''۔(۱)

مومن کو اللہ کے ساتھ ہر حال میں حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، بدفالی اللہ رب العالمین کے ساتھ بدظنی ہے، بندے کا ایمان جب زیادہ ہوجاتا ہے تو اس کا اپنے رب پر حسن ظن بھی زیادہ ہوجاتا ہے اور جب بندے کا ایمان اپنے رب پر کم ہوجاتا ہے تو وہ اپنے پیدا کرنے والے خالق کے بارے میں بدظن ہوجاتا ہے، جس شخص نے گمان کیا کہ اللہ رب العالمین اپنے موحد بندے کی مدد نہیں کرے گا، ان کو بلند نہیں کرے گا یا اللہ ان کے دین کو غالب نہیں کرے گا، یا یہ گمان کرے کہ وہ اللہ کے پاس اس کی نافرمانی اور مخالفت کے باوجود وہ چیز پالے گا جو اس کے پاس ہے جیسا کہ اس کی اطاعت اور اس کی قربت حاصل کرنے کے بعد بندہ اس کو پالیتا ہے، یا وہ یہ گمان کرے کہ اگر وہ کسی چیز کو اللہ کے لیے چھوڑ دے گا تو اللہ رب العالمین اس سے بہتر اس کو معاوضہ نہیں دے گا، یا یہ گمان رکھے کہ جس شخص نے بھی کوئی کام اللہ رب العالمین کے لیے ہی کیا تو اس کو اس سے بہتر عطا نہیں کرے گا، یا یہ گمان کرے کہ اگر پوری سچائی کے ساتھ اللہ کی طرف راغب ہوگا اور اس سے ڈرے گا، اس کی تضرع اور خاکساری اختیار کرے گا، پھر اس سے سوال کرے گا، اس سے مدد طلب کرے گا اور اس پر توکل کرے گا تو اللہ اسے رسوا کرے گا اور اس کی مانگی ہوئی چیز اس کو عطا نہیں کرے گا، یا یہ گمان کرے کہ جود وسخا فقیری کی طرف لے جاتا ہے یا صدقہ وخیرات کرنے والا یہ گمان رکھے کہ صدقہ کے ذریعہ مال کم ہوگا یا یہ گمان کرے کہ اللہ کی راہ

(۱) بخاری ومسلم

میں صدقہ دینے سے اللہ اس کو مال نہیں دے گا، یا وہ یہ گمان کرے کہ اس دین کو اختیار کرنے سے دیندار آدمی کا مقام بلند وبالا نہیں ہوگا، جس نے اس طرح کا گمان کیا تو اس نے اللہ کے ساتھ برا گمان کیا اور اس چیز میں وہ پڑ گیا جس سے اللہ نے اس کو روکا تھا، یہ اس لیے اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے کیونکہ اللہ کے اسماء حسنی اور صفات علیا کے خلاف ہے، اور اس کی طرف ایسے امور کی نسبت کرنا ہے جو اس کے جمال وکمال او رصفات کے لائق نہیں ہے، اور اکثر لوگ ان امور میں اللہ کے ساتھ بدگمانی کرتے ہیں جو ان کے ساتھ خاص ہیں یا جیسے وہ دوسروں کے لیے کرتے ہیں، اور اس سے وہی آدمی محفوظ رہتا ہے جو اللہ کو اور اس کے اسماء وصفات کو پہچانتا ہے اور اس کی حکمت وحمد کے تقاضے کو سمجھتا ہے، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے صرف وہی محفوظ رہتا ہے جو اللہ کے اسماء وصفات کو سمجھے اور اپنے نفس کو جانے''۔(۱)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اکثر مخلوق بلکہ سب کے سب سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے، اللہ کے ساتھ ناحق گمان رکھتے ہیں اور بدگمانی کرتے ہیں، کیونکہ اکثر بنی آدم کا یہ اعتقاد ہے کہ اسے اس کا پورا حق نہیں دیا گیا، بلکہ جتنا اسے دیا گیا اس سے زیادہ کا وہ مستحق ہے، گویا وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ پر ظلم کیا، کیونکہ میں جس کا مستحق تھا وہ مجھے نہیں دیا، اگرچہ وہ زبان سے اس کا انکار کرتا ہے اور اس کی صراحت کرنے کی جسارت نہیں کرتا، اور جو آدمی اپنے اندر جھانک کر دیکھے گا اور اپنے دل میں چھپے بھیدوں کو جاننے کی کوشش کرے گا تو اس میں اسی قسم کی چھپی ہوئی بدگمانیوں کو دیکھے گا۔......لہذا عقلمند کو چاہیے کہ ایسے مقام پر اپنے نفس پر توجہ دے اور اپنے رب کے ساتھ بدگمانی کرنے سے اللہ کے دربار میں ہر وقت توبہ واستغفار کرے،

---

(۱) مسائل کتاب التوحید: (ص ۲۷۴)

اور اپنے نفس کے ساتھ بدگمانی کرے جو ہر برائی کی پناہ گاہ اور ہر شر کی جڑ ہے۔(۱)

لہذا مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے رب کے ساتھ بدگمانی نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ حسن ظن رکھے، حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ''میں اپنے بارے میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب رہتا ہوں''۔(۲)

والدین کے ساتھ حسن سلوک:

اللہ رب العالمین نے والدین کو سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ اور شفقت ومہربانی کا باغ بنایا ہے، پس ان دونوں کا بہت بڑا حق ہے، ان دونوں کی بھلائیوں کا بدلہ نہیں دیا جاسکتا، ان دونوں کا احسان مخلوق کے تمام احسان سے برتر ہے، والدین سے بڑا احسان اور زیادہ فضل کسی کا نہیں ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک انبیاء کی عادت اور نیک لوگوں کی خصلت ہے، غم کو زائل کرنے کا سبب، برکتوں کے نزول کا ذریعہ اور دعاؤں کی قبولیت کا باعث ہے، والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے شرح صدر اور زندگی میں خوش حالی حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالی اپنے نبی یحییٰ علیہ السلام کا وصف ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وبرا بوالديه ولم يكن جبارا عصيا﴾ (۳) (وہ اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والے تھے، سرکش اور گنہگار نہ تھے)۔

عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ﴿وبرا بوالدتي ولم يجعلني جباراشقيا﴾ (۴) (اس (یعنی اللہ) نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے، مجھے سرکش اور بد بخت نہیں کیا)۔

والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ اچھی عادت اور فضل وکمال کی دلیل ہے، اور وہ

---

(۱) زادالمعاد: (۲۳۵/۳)   (۲) بخاری، مسلم
(۳) مریم: (۳۲)   (۴) مریم: (۳۲)

جنت کا ایک راستہ ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، "الوالد أوسط أبواب الجنة فان شئت فاضع ذلك الباب أو احفظه" (۱)''والد جنت کا دروازہ میں درمیانہ (یعنی سب سے بہتر) دروازہ ہے، پس اگر تو چاہے تو اس دروازہ کو ضائع کردے یا اس کی حفاظت کر''۔

والدین کا حق اللہ کے حق کے بعد واجب ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا﴾ (۲) (اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو)۔

ان دونوں کے ساتھ حسن سلوک ایسا عمل ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے افضل ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: پھر کون سا عمل؟ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک، راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (۳)

والدین کے ساتھ حسن سلوک جنت کے راستے کو ہموار کرتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "رغم أنف، ثم رغم أنف، ثم رغم أنف، من أدرك أبويه عند الكبر أحدهما أو كلاهما فلم يدخل الجنة" (۴) اس کی ناک خاک آلود، وہ ذلیل ہو، وہ رسوا ہو، جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔

---

(۱) الترمذی وصححہ (۲) النساء: (۳٦)
(۳) بخاری ومسلم (۴) مسلم

صلہ رحمی:

اللہ کے نزدیک سب سے اچھی نیکیوں اور سب سے افضل اطاعتوں میں سے صلہ رحمی ہے، یہ اللہ کے فضل وکرم ہے کہ اس نے صلہ رحمی کو وقت میں برکت اور بندے کے رزق میں زیادتی کا ذریعہ بنادیا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له أثره فليصل رحمه" (۱) جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو اور اس کی عمر زیادہ ہو جائے تو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

مسلمان پر واجب ہے کہ وہ صلہ رحمی کرنے والا ہو، بہتر یہ ہے کہ وہ ہفتے میں کسی ایک دن کو اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے مقرر کرلے اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال کرے، کیوں کہ اس میں دل کا سکون ہے، صلہ رحمی علم حاصل کرنے سے غافل نہیں کرے گی اور نہ دعوت وارشاد یا لوگوں کے فائدے سے غافل کرے گی، چونکہ اقارب سے ملاقات عمر میں برکت کا باعث ہے، جو شخص اپنی زندگی میں برکت کی خواہش رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے، ابن التین نے کہا: ''صلہ رحمی کے ذریعہ اطاعت کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور یہ گناہ سے بچاؤ کا سبب ہے، صلہ رحمی کرنے والے کا ذکر جمیل اس کے مرنے کے بعد ایسے باقی رہتا ہے جیسے وہ فوت ہوا ہی نہیں ہے''۔ مسلمان اس سلسلہ میں کوئی کمی نہیں کرتا، کیونکہ انسان کے رشتہ دار ہی سب سے زیادہ رعایت اور توجہ دینے کے حقدار اور سب سے عزت اور ہمدردی کے لائق ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وأولو الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب الله ان الله بكل شيء عليم﴾ (۲) (رشتے ناطے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں، اللہ کے حکم میں بے شک اللہ تعالی ہر چیز کا

---

(۱) بخاری ومسلم (۲) الانفال: ۷۵

جاننے الا ہے) نبی کریم ﷺ نے کہا: ''رحم (رشتے داری) عرش سے لٹکی ہوئی ہے اور کہتی ہے جو مجھے ملائے میں اسے ملاؤں اور جو مجھے کاٹے میں اسے کاٹوں ۔(۱)

صلہ رحمی زندگی میں کامیابی اور مال میں برکت کا ذریعہ ہے، اللہ رب العالمین صلہ رحمی کے ذریعہ عزت لکھ دیتا ہے، صلہ رحمی افضل عبادتوں میں سے ایک عظیم عبادت ہے۔عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''فرائض کے بعد کوئی قدم ایسا نہیں ہے جو رشتہ داروں کی طرف اٹھنے والے قدم سے زیادہ ثواب دینے والا ہو، تمہارا قریبی رشتہ دار تمہارا ہی ایک ٹکڑا ہے۔ لہذا اگر تم نے اس کے ساتھ حسن سلوک کیا تو تم نے اپنے ساتھ حسن سلوک کیا، اور اگر تم نے بخیلی کی تو اپنے آپ کے ساتھ بخیلی کیا، اللہ نے رحم (رشتہ داری) کی تخلیق کی، پھر اس کا نام اپنے ایک نام سے نکالا اور اس سے وعدہ کیا کہ جو تجھ کو جوڑے گا اسے میں جوڑوں گا اور یہ کہا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میں اس سے تعلق جوڑوں جو تجھ سے جوڑے اور اس سے قطع تعلق کروں جو تم سے قطع تعلق کرے، تو رحم نے کہا: کیوں نہیں، تو اللہ نے کہا: پس یہ تیرے لیے ہے۔(۲)

صلہ رحمی اللہ کے حکم سے زمانے کی مصیبتوں کو دور کرتی ہے اور اللہ کے حکم سے آدمی کی پریشانیوں کو ختم کر دیتی ہے، تو جس سے رحم کرنے والے رب نے رشتہ جوڑ لیا اس سے ہر بھلائی نے رشتہ جوڑ لیا، اور اب کوئی اس سے رشتہ نہیں کاٹے گا لیکن جس نے سخت گرفت کرنے والے سے رشتہ توڑا تو کوئی انسان اس سے رشتہ نہیں جوڑے گا اور وہ غم واندوہ کی زندگی گزارے گا۔

رشتہ داری کو میں کیسے جوڑوں؟:

صلہ رحمی رشتہ داروں سے ملاقات کر کے حاصل ہوتی ہے، اسی طرح رشتہ داروں میں بزرگوں کی عزت کر کے، ان میں بیماروں کی عیادت کر کے، ان کے تنگ دستوں

---

(۱) بخاری، مسلم (۲) بخاری، مسلم

کی تنگ دستی کو دور کر کے اوران کے احوال کی نگرانی کر کے حاصل ہوتی ہے۔

نئے وسائل وآلات کے ذریعہ اس عبادت کو ادا کرنے میں مدد حاصل ہوتی ہے، ٹیلی فون کے ذریعہ مہربانی اور محبت کے رشتے میں استقامت اور مضبوطی ہوتی ہے، خط وکتابت محبت کی بقا کا ذریعہ ہے، سلام کو پھیلانے میں عہد کی تجدید کاری ہے، قرابت داروں کی قرابت کو مضبوط کرنے کے لیے ان تمام جائز وسائل کو استعمال کرنا مباح ہے، توان وسائل کو اس عبادت کے لیے غنیمت سمجھو۔ اپنے قریبی لوگوں کو دعوت دو اور ان کی رہنمائی وخیر خواہی کرو اوران بزرگوں کو نصیحت کرو کہ وہ دوسروں سے بھی محبت اور صلہ رحمی کے تعلق کو جوڑیں، اللہ نے فرمایا: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ (۱) (آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے)

میرے رشتہ دار مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں:

رشتہ دار صلہ رحمی، محبت، مہربانی اور شفقت میں یکساں نہیں ہیں، صلہ رحمی ایک عبادت ہے، اس لیے آپ اس عبادت کو لوگوں کی طرح نہ کریں، اس عبادت کو رشتہ داروں کے چھوڑنے کی وجہ سے تم بھی نہ چھوڑو، بلکہ مسلمان عبادت کی ادائیگی کے طور پر اپنے رشتوں کو جوڑتا ہے اگر چہ اس کے رشتہ دار اس سے قطع تعلق کریں، وہ ان سے اپنا معاملہ برابر کرنے کے لیے صلہ رحمی نہیں کرتا، بلکہ اللہ جل وعلا کی عبادت کے طور پر کرتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ليس الواصل بالمكافيء، ولكن الواصل من إذا قطعت رحمه وصلها" (۲) وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے، جو احسان کے بدلے احسان کرتا ہے بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔

نبی کریم ﷺ کے قریبی مشرکین رشتہ داروں نے آپ کو بہت ایذائیں دیں،

---

(۱) الشعراء: (۲۱) (۲) بخاری

اس کے باوجود آپ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے، آپ فرماتے: "غير أن لكم رحما سأبلها ببلالها" (۱) سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ میری رشتہ داری ہے، اس کو میں ضرور قائم رکھوں گا۔ آپ ﷺ سے ان کی دشمنی کے باوجود اللہ رب العالمین یہ حکم دیتا ہے: "قل لا أسألكم عليه أجرا إلا المودة في القربى" (۲) (اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا ہوں مگر محبت رشتہ داری کی)۔

قریبی رشتہ دار جب تم سے برا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ یہی شرعی علاج ہے، برائی کرنے والے کی برائی کا مقابلہ اچھائی سے کرو، کیونکہ یہ عمل اللہ جل وعلا کے نزدیک رفع درجات کا باعث ہے، اور مخلوق کے نزدیک عزت کا ذریعہ ہے کیوں کہ نفس اس سے اپنی قباحتوں سے دور رہے گا، اللہ عز وجل فرماتا ہے: ﴿ادفع بالتي هي أحسن﴾ (۳) (برائی کو اس طرح دور کریں جو سراسر بھلائی والا ہے)

اس خصلت کی توفیق صرف اسی شخص کو ملتی ہے جو اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کے سامنے ذلیل کر دے، لوگوں کی برائی کے مقابلے میں ان کے ساتھ بھلائی کرنے میں ایک اور نیکی شامل ہے اور وہ ہے غصے کو پی جانا، یہ صفت اہل جنت کی صفات میں سے ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وسارعوا إلى مغفرة من ربكم وجنة عرضها السماوات والأرض أعدت للمتقين الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس والله يحب المحسنين﴾ (۴) (اپنے رب کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف دوڑو، جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو لوگ

---

(۱) مسلم (۲) الشوری: (۲۳)

(۳) المومنون: (۹۶) (۴) آل عمران: (۱۳۳)

آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اللہ تعالی ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے)

رشتہ داروں کی بدسلوکی کا جواب بدسلوکی سے دینا دراصل رشتے کو جوڑنے کی جو عبادت ہے اس کو چھوڑ دینا ہے، نیز یہ قطع تعلقی کی آگ کو بھڑکانا اور اپنے کو شیطان کے جال میں پھنسا دینا ہے۔

ایک صحابی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! "إن لي قرابة أصلهم ويقطعونني، وأحسن اليهم، ويسيئون إلى وأحلم عنهم ويجهلون علي، فقال عليه الصلاة والسلام: لإن كان كما تقول فكأنما تسفهم المل، ولا يزال معك من الله ظهير عليهم ما دمت على ذلك" (۱) میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں وہ مجھ سے قطع تعلقی کرتے ہیں، میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں، وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں، وہ میرے ساتھ نادانی سے پیش آتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور ان کے مقابلہ میں تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ کی طرف سے ایک مددگار رہے گا، جب تک تیرا رویہ یہی رہے گا۔

وقت کی حفاظت:

شب و روز عمر کے حصے اور راستے کے مراحل ہیں جو دن بہ دن فنا ہوتے رہتے ہیں، ان کا گزرنا دراصل عمر کا پورا ہونا، آثار کا مکمل ہونا، موت کا قریب آنا اور نامۂ اعمال کے خزانوں کا بند ہو جانا ہے، چالاک نوجوان اپنی نوجوانی کے ایام بہاراں کو غنیمت جانتا ہے، تو وہ قرآن، متون کو حفظ کرتا ہے، علماء کے دروس میں حاضر ہوتا ہے،

---

(۱) مسلم

کتابوں کا مطالعہ کرتا ہے اور عبادت میں وقت صرف کرتا ہے، اس طرح وہ نبی کریم ﷺ کی اس وصیت پر عمل کرتا ہے جو آپ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کی تھی: ''اس چیز کے حریص بنو جو تم کو فائدہ پہنچائے اور اللہ سے مدد طلب کرو، ہمت نہ ہارو''۔(۱)

علماء میں سے جو لوگ بھی کسی میدان میں ماہر ہوئے ہیں وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی عمر کے اوقات کی حفاظت کی اور ایسے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جن سے انھیں اپنے رب کی اطاعت میں مدد ملے۔

علم کی فضیلت:

علم بہترین کمائی ہے، بہترین نسبت اور عمدہ ذخیرہ ہے جسے اکٹھا کیا جاتا ہے، بہترین پھل ہے جسے چنا جاتا ہے اور علم کے مثل کوئی ایسی کمائی نہیں ہے جو انسان کو ہدایت کی طرف لے کر جائے یا ہلاک ہونے سے بچالے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: ''جس نے علم حاصل کیا تو اس نے اللہ کے ساتھ بیعت کی''۔ علم نبوت کی میراث ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿وورث سليمان داؤد وقال يا أيها الناس علمنا منطق الطير وأوتينا من كل شيء إن هذا لهو الفضل المبين﴾ (۲) (اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور کہنے لگے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہم سب کچھ میں سے دیے گئے ہیں، بے شک یہ بالکل کھلا ہوا فضل ہے) جس شخص کو اللہ نے کتاب وسنت کے علم کا وارث بنایا تو اللہ نے اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنالیا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من يرد الله به خيرا يفقه في الدين" (۳) جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

علم کو حاصل کرنا اور اس میں زیادتی کی خواہش رکھنا ایسا شرف ہے جس کے مثل

(۱) ابن ماجہ (۲) النمل: (۱۶) (۳) صحیح بخاری

کچھ بھی نہیں ، ایسا فضل ہے جس کی کوئی حد نہیں،علم کے ثمرات جلد حاصل ہونے والے ہیں،اس کے خوشے جھکے ہوئے ہیں،علم کو حاصل کرنے والا بڑے لوگوں کی لڑی میں پرویا ہوا ہے،اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿يا أيها الذين آمنوا إذا قيل لكم تفسحوا في المجالس فافسحوا يفسح الله لكم وإذا قيل انشزوا فانشزوا يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات والله بما تعملون خبير﴾ (۱) (اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا کشادگی پیدا کرو، تو تم جگہ کشادہ کردو، اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہوتو تم اٹھ کھڑے ہوجاؤ، اللہ تعالی تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا، اللہ تعالی (ہر اس کام سے) جو تم کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے)

اللہ رب العالمین کے حکم سے بندہ کے لیے علم شریعت کے ذریعہ مضبوطی حاصل کرنے سے زیادہ فائدہ مند کوئی چیز نہیں،اس کے راستے کی اتباع کرنے میں جنت میں ہمیشگی کی توفیق ملتی ہے،مخلوق ان سے راضی رہتی ہے،اس کام کے کرنے والوں کے لیے لوگ دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اہل علم کی مجلسوں میں فرشتے بھی دلچسپی لیتے ہیں۔

عقلاء علم کی تعظیم کو عام کرتے ہیں اور علم کے حصول پر ابھارتے ہیں، اللہ نے علم کے ذریعہ بہت سارے لوگوں کو ایسا بلند مقام عطا کیا کہ ان کو خیر کی طرف قیادت کرنے والا بنا دیا، کتنے پست درجے والے ہیں جن کو علم نے شرفاء کی صف میں کھڑا کردیا، اور کتنے لوگوں کی نظروں میں حقیر ہیں جن کو علم نے بزرگوں کی لڑی میں پرودیا، فرشتے اہل علم کی مجلسوں کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں،

---

(۱) المجادلة: (۱۱)

اور آسمان وزمین میں جومخلوقات ہیں وہ سب ان کے لیے استغفار کرتی ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من سلك طريقا يبتغي فيه علما سهل الله له طريقا إلى الجنة، وإن الملائكة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما يصنع، وإن العالم ليستغفر له من فى السماوات ومن في الأرض حتى الحيتان في الماء، وفضل العالم على العابد كفضل القمر على سائر الكواكب، وإن العلماء هم ورثة الأنبياء وإن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، وإنما ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظ وافر" (۱)جو شخص ایسے راستے پر چلے جس میں وہ (دین کا) علم تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کے لیے اس کے اس عمل سے خوش ہو کر اپنے پر رکھ دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان وزمین کی ہر مخلوق حتی کہ مچھلیاں پانی میں مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چاند کو سارے ستاروں پر فضیلت حاصل ہے اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنے ورثہ میں دینار اور درہم نہیں چھوڑے، وہ تو (دین کا) علم ہی ورثہ میں چھوڑ کر جاتے ہیں، پس جس نے یہ علم حاصل کیا اس نے ایک بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

علم کے فوائد:

نفع بخش علوم عقیدے کی اصلاح کرتے ہیں، نفوس کو پاک کرتے ہیں، اخلاق کو مہذب بناتے ہیں اور اس کے ذریعہ اعمال صالحہ اچھے انجام والے ہو جاتے ہیں، علم تنہائی میں غمخواری، اور خلوت میں دوستی کا کام کرتا ہے، یہ جنت کے راستے کا مینار ہے اور بڑی عبادتوں میں سے ایک عظیم عبادت ہے، بشر الحافی کہتے ہیں: ''زمین پر طلب علم سے افضل کوئی چیز میں نہیں جانتا''۔ جس نے علم کا پودا لگایا تو اس نے شرافت کا

---

(۱) أبوداود، الترمذی

پھل چن لیا اور جس نے وقار کا پودا لگایا تو اس نے عظمت کو پالیا۔

ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا: ''اگرچہ علم کی مشغولیات کا اور کوئی فائدہ نہ ہوتا سوائے اس کے کہ یہ علم اپنے ساتھ شغل رکھنے والے کو ان خطرناک وسوسوں اور جھوٹی امیدوں سے محفوظ کر دیتا ہے جو انسان کو رنج والم کے سوا کچھ نہیں دیتیں، اسی طرح نفس کو تکلیف پہنچانے والے افکار سے نجات دیتا تو یہی ساری چیزیں علم کی طرف بلانے کے لیے کافی ہوتیں، جبکہ اس کے علاوہ علم کے بہت سارے فضائل ہیں جن کا ذکر بہت طویل ہوگا''۔(۱)

طالب علم کے آداب:

جب تم علماء کی مجلسوں میں بیٹھو تو بولنے سے زیادہ سننے کے حریص رہو اور تمہارے سوال کرنے کا مقصد تفقہ ہو نہ کہ سرکشی، لقمان حکیم نے کہا: ''اے میرے بیٹے! علماء کی مجلس میں بیٹھ اور ان سے زانو تلمذ تہ کیا کر، کیونکہ اللہ رب العالمین علم وحکمت کی روشنی سے دلوں کو اسی طرح زندہ کرتا ہے جیسے بارش کے قطروں سے زمین کو زندہ کرتا ہے''۔

اے طالب علم! اپنے اوپر علماء اور فضل وایمان والے کی تعظیم لازم پکڑو، جب انسان علم سیکھتا ہے اور علم کا مقام جانتا ہے تو اس کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اس کے مقابل میں وہ بہت کم ہے جو نہیں جانتا ہے، اس لیے اسے کسی قسم کے غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، علم تو خاکساری، تواضع اور کان لگا کر سننے سے حاصل ہوتا ہے، لہذا اپنے استاد کا ان سے بات چیت کرنے میں، ان کی باتیں سننے میں اور ان کا سامنا کرنے میں احترام کرو اور ان کے مقام ومرتبہ کا خیال رکھو، ان کے ساتھ بے ادبی کرنا انسانیت سے گری ہوئی صفت ہے، اور عرف کے بھی خلاف ہے نیز سلف کی

(۱) مداواۃ النفوس: (۳۴۳/۱)

راہ سے انحراف ہے، ربیع کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم میری کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ میں پانی پیوں اور امام شافعی مجھے دیکھ رہے ہوں، یہ ان کی ہیبت تھی میرے اندر''۔

آپ استاد کی رہنمائی پر اس کا شکر ادا کیجئے، اس لیے کہ انہوں نے پورے اخلاص کے ساتھ آپ کو تعلیم دی ہے، کیونکہ آدمی اللہ کا شکر گزار نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے، اپنے معلم کے ساتھ متعلم کی محبت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کو معذور سمجھے اور برائی کو خود کی طرف منسوب کرے، معلم کے ساتھ بات چیت کرنے میں اچھا انداز اختیار کرے اور ان سے سوال وجواب کرنے میں نرمی اپنائے۔ پس فخر ومباہات سے بچو، اپنے استاذ کی بات کو توجہ سے سنو اور اگر شرعی علوم میں سے کوئی چیز مشکل ہوگئی ہو تو اس کے متعلق سوال کرنے سے اعراض مت کرو، کیونکہ دین کے بارے میں سوال کرنا باعث شرف ہے اور سوال کرنے سے روگردانی کرنے اور جہالت پر باقی رہنے میں ذلت ورسوائی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ انصاریوں کی عورتوں پر رحم فرمائے شرم وحیا ان لوگوں کے دین میں تفقہ (سمجھداری) حاصل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔

ہم عصر ساتھی:

بھلائی کی نیک خصلتیں زندہ نہیں رہ سکتیں مگر ہم مزاج لوگوں کے ذریعہ، ایک دوست کی سب سے خاص صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ رائے کے معاملے میں صاحب فضل ہو، دوستی کے معاملے میں لائق اعتماد ہو، راز کی حفاظت کرنے والا اور دوستی نبھانے والا ہو، پس تم نیک لوگوں کے سوا کسی سے دوستی نہ کرو، کیونکہ یہ لوگ دین ودنیا کے معاملے میں سب سے بہتر مددگار ہیں۔

مسلمان کی خوبیوں میں سے ہے کہ وہ اپنے دوستوں میں سے کسی سے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا، خواہ وہ یادداشت کی نعمت ہو، یا فہم وادراک کی یا مسلمانوں

کی نظر میں اس کے نفع کی ظاہری علامت جیسی نعمت ہو، بلکہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو نقصان نہیں پہنچاتا، نیز چغلخوری اور الزام کے ذریعہ اس کی بے عزتی نہیں کرتا۔

سلف کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھی کی تعظیم کرتے نیز اپنے دل کو اس کے لیے پاک وصاف رکھتے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کی تعریف کرتے، ابن کثیر اور ابن قیم رحمہما اللہ دونوں ہم عصر تھے، چونکہ یہ دونوں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں، ذرا دیکھو ابن کثیر رحمہ اللہ کے اندر اپنے دوست ابن قیم کی کیسی تعظیم تھی کہ وہ ابن قیم رحمہ اللہ کی سوانح لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''وہ پڑھنے میں بہت اچھے تھے، بہترین اخلاق، بہت محبت کرنے والے تھے، کسی سے حسد نہیں کرتے تھے، نہ ہی کسی کو نقصان پہنچاتے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی سے کینہ رکھتے تھے، میں لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے ساتھ رہتا تھا اور سب سے زیادہ ان سے محبت کرتا تھا''۔(۱)

دل کی سلامتی اور اللہ کی خاطر محبت کے ذریعہ ان جیسے لوگوں نے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا، لہذا تم ایسے لوگوں کا ساتھ اختیار کرو جو محنتی ہوں، زمانے کے مزاج کو سمجھنے والے ہوں، بیکار مجلسوں سے پہلو تہی اختیار کرو، اور یکتائے روزگار کی سیرتوں کو پڑھو، شرعی علوم کی زیادہ سے زیادہ معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرو، اپنی بہترین زندگی کو غنیمت سمجھو، اپنے بہترین اوقات کی حفاظت کرو، اپنے دوستوں کو علم کے حصول پر برانگیختہ کرو، ان کو دین کی باتیں بتاؤ اور اگر کسی کو حفظ وفہم کی نعمت حاصل ہو تو اس کی نعمت پر حسد مت کرو، بلکہ ہمیشہ انعام کرنے والے باری تعالی سے توفیق کا سوال کرو، اس لیے کہ مدد وہیں سے آتی ہے نہ کہ اسباب پر بھروسہ کرنے سے

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۵۲۳/۱۸

ملتی ہے۔

طالب علم کی لغزشیں:

علم کی راہ میں رکاوٹیں اور آفتیں لغزشوں کی طرح ہیں، اس لیے ڈھیر ساری مشغولیات اور مصروفیات کی موجودگی میں حفظ کرنا اور مطالعہ کرنا بہت قابل تعریف نہیں ہے، آج کل جدید تہذیب کی تماشا والی چیزوں میں اور ریڈیو اسٹیشن وغیرہ میں لوگوں کے ذہن وفکر مشغول رہتے ہیں، خیالی دنیا میں لوگ زندگی گزارتے ہیں اور وقت برباد ہوتا ہے، ایسی چیزوں سے بچنے ہی میں دین کی حفاظت، ذہن کی صفائی، وقت کی بچت ہے اور معاصرین پر بھی سبقت حاصل کی جاسکتی ہے، لہذا اپنے کان اور نگاہ کو ان چیزوں سے محفوظ رکھئے جو آپ کی فکر کو ناپاک کریں اور آپ کے کردار کو مجروح کریں اور آپ کے اخلاق کو بگاڑیں۔

تکبر وگھمنڈ علم کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے، اور علم کا زیور بردباری اور تواضع ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے اپنے رب کی جانب جانے والے راستے کو پہچان لیا اور وہاں تک پہنچنے کے مقصد سے چلا، اور بدنصیب ہے وہ شخص جس نے اس راہ کو تو پہچان لیا لیکن پھر دوسری طرف مڑ گیا۔

کیا علم کو حاصل کرنے میں مشقت ہے؟

علم کو حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے، لیکن اس میں ایک قسم کی لذت اور فائدہ ہے، علم مشکلات اور پریشانیوں کے پل کو عبور کر کے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، جس شخص نے علم کی مشقت کو برداشت نہیں کیا تو وہ ہمیشہ جہالت کا جام ہی نوش کرے گا۔

علم وعمل بغیر صبر کے حاصل ہونے والا نہیں ہے اور ایسے صبر کرنے والے کے لیے جنت کا وعدہ ہے: ﴿سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار﴾ (۱)

---

(۱) الرعد: (۲۴)

(فرشتے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو صبر کے بدلے کیا ہی اچھا (بدلہ) ہے اس دار آخرت کا)

علم ناپسندیدگی پر صبر کرکے اور اس کے حصول میں نفس کو قربان اور فنا کرکے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے، ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں طلب علم کی حلاوت میں ایسی ایسی تکلیفیں اٹھاتا تھا جو میرے نزدیک شہد سے بھی زیادہ میٹھی تھیں، صرف اس چیز کی وجہ سے جس طلب اور آرزو میں میں لگا ہوا تھا، میں اپنے بچپن میں ایک سوکھی روٹی لیتا اور طلب حدیث کے لیے نکل پڑتا اور میں نہر عیسی کے پاس بیٹھتا تو میں ان روٹیوں کو پانی کے ساتھ ہی کھانے کی طاقت رکھتا تھا، ایک ایک لقمہ کھاتا اور اس پر پانی پیتا اور میرے اس ہمت اور حوصلہ کی وجہ صرف حصول علم کی لذت تھی''۔(۱)

ابن کثیر رحمہ اللہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں جب کہ وہ اپنی کتاب ''جامع المسانید'' لکھ رہے تھے: ''میں برابر اس کو رات ہی میں لکھتا تھا جبکہ چراغ ٹمٹا تا رہتا، یہاں تک کہ اسی کے ساتھ میری آنکھ کی روشنی بھی چلی گئی''۔(۲)، لہذا آدمی جب انجام کار پر نظر رکھتا ہے تو اس کے لیے ہر پسندیدہ وغیر پسندیدہ چیز پر صبر کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

جوشخص اپنی نوجوانی کو علم میں کھپائے گا تو اس کے لگائے ہوئے پودہ پر بڑھاپے میں اس کی تعریف کی جائے گی، لوگ اس کی تصنیف سے فائدہ اٹھائیں گے نیز اسے بدن کی لذتوں کے کھونے کا کچھ بھی غم نہ ہوگا، بلکہ اسے علم کی لذت حاصل ہوگی، امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا سکون کب ہوگا؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''جنت میں پہلا قدم داخل کیے جانے کے وقت''۔ چنانچہ جس قدر آپ اپنی طلب میں سچے ہوں گے اور اللہ کی طرف پناہ لینے میں مضبوط ہوں گے نیز ہر قسم کی دنیاوی قوت سے بے نیاز

---

(۱) صید الخاطر: ۱۵۱

(۲) المصعد الأحمد فی ختم مسند الإمام أحمد لمحمد بن الجزري: (ص۲۳)

ہوں گے اسی قدر آپ کو اللہ کی نصرت و مدد حاصل ہوگی۔

طلب علم کے لیے وطن سے دوری:

اہل وعیال اور وطن سے دوری آدمی کے لیے مقام ومرتبہ اور بہترین صفات کو ظاہر کرتی ہے، وطن سے دوری زندگی کو دشواری اور آزمائش برداشت کرنے کا عادی بنا دیتی ہے اور یہی چیز علم میں بلندی کا مقام دلاتی ہے اور یہ سبق دیتی ہے کہ زندگی میں آسائش اور آرام ہمیشہ نہیں رہتے، اجنبیت کی زندگی طالب علم کو اپنے اہل وعیال پر مکمل اعتماد کرنے سے روکتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ زندگی ایک ہی حالت پر رواں دواں نہیں رہتی ہے۔

امام شافعی اپنے دیوان میں کہتے ہیں:

تغرب عن الأوطان في طلب العلا

وسـافر ففي الأسفار خمس فوائد

بلندیوں کے حصول کے لیے وطن سے دور رہو، اور مسافرت اختیار کرو اس لیے کہ سفر میں پانچ فائدے ہیں۔

تفريج هم واكتساب معيشـة

وعلم وآداب وصحبة ماجد

رنج وغم سے آزادی، اور معاش، علم وآداب اور نیک صحبت کا حصول۔

مزید فرمایا:

ارحل بنفسك عن أرض تضام بها

ولا تكن في فـراق الأهـل في حرق

جس سرزمین میں تم رہتے ہو وہاں سے کوچ کر جاؤ، اور اہل وعیال سے جدائی کے بارے میں سوچ کر پریشان نہ ہوں۔

فالعنبـر الخام روث في مواطنـه
وفي التغرب محمـول على العنق

کیونکہ کچا عنبر اپنے وطن میں ایک گوبر کی طرح ہے اور غریب الوطنی کی حالت میں گردنوں کی زینت بن جاتا ہے۔

والكحل نوع من الأحجار تنظره
في أرضه وهو مرمى على الطرق

اور سرمہ ایک قسم کا پتھر ہے جسے تم زمین میں دیکھتے ہو اور راستوں میں پڑا رہتا ہے۔

لما تغـرب حـاز الفضـل أجمعـه
فصار يحمل بين الجفن والحدق

جب وہی غریب الوطنی اختیار کرتا ہے تو بہت فضیلت والا ہو جاتا ہے اور اسے آنکھوں اور پلکوں کے درمیان لگایا جاتا ہے۔

جب غریب الوطنی اختیار کرنے والا اللہ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ رب العالمین اس کی غریب الوطنی میں اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے، نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپ کا داخلہ اللہ کے ساتھ سچائی کا تھا، اللہ کے لیے تھا، اللہ کی رضا کی طلب میں تھا، اسی لیے آپ کو اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے تائید اور مدد ملی اور آپ نے دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی کو حاصل کیا، برخلاف کذب کا دخول جس کا آپ کے دشمنوں نے قصد کیا تھا کہ جنگ احزاب کے دن اس کے ذریعہ مدینہ میں داخل ہوں گے، کیونکہ یہ داخلہ نہ اللہ کی مدد میں تھا اور نہ اللہ کے لیے تھا بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی میں تھا، اس کی وجہ سے ان کو صرف رسوائی اور بربادی حاصل ہوئی، ایک آدمی جب بھی اپنے شہر سے دوسرے شہر کی جانب جاتا ہے تو

یا تو سچائی کے ساتھ جاتا ہے یا جھوٹ کے ساتھ، تو ہر ایک کا نکلنا یا داخل ہونا سچائی یا جھوٹ سے الگ نہیں ہے۔

اللہ رب العالمین جب کسی کا مقام بلند کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو پست کرتا ہے، تو جب اللہ کی جانب پناہ اختیار کرتا ہے اور جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں ان کو طلب کرتا ہے اور اطاعت کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کرتا ہے تو اللہ رب العالمین اس کی خاکساری کے بقدر اس کے درجات کو بلند کر دیتا ہے، اسی لیے غریب الوطنی پر غم نہ کرو اور نہ ہی اس کی پریشانی پر گھبراؤ، کیونکہ علماء نے غریب الوطنی کے ذریعہ مشقتوں اور تکلیفوں کو جھیلا ہے، اس چیز نے طلب علم کی راہ میں ان کو اور بڑھایا ہے، یہاں تک اس دین کی حفاظت انھیں عظیم لوگوں کے ذریعہ ہو پائی، اس لیے تم بھی اسی راستے پر چلو جس پر علماء چلے، اگر آپ وطن سے دور ہیں تو آپ ان کے نقش قدم کی اتباع کیجئے اور غریب الوطنی میں اللہ رب العالمین سے اپنا تعلق قائم کیجئے، اطاعت کے ذریعہ اس کی حفاظت کیجئے تا کہ تمہارا رب تمہاری حفاظت کرے اور تمہارے اہل وعیال کی ان کے گھروں میں حفاظت کرے اور تم غریب الوطنی میں مانوس رہو۔

غریب الوطنی کی مشقت:

وطن کی جدائی نفس پر شاق اور طبیعت پر بہت مشکل ہے، نبی کریم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: "والله انك لخير البقاع إلى الله، ولولا أن قومك أخرجوني ما خرجت" اللہ کی قسم بے شک اللہ کے نزدیک تو بہترین سرزمین ہے، اگر تیری قوم نے مجھ کو نہ نکالا ہوتا تو میں نہ نکلتا۔

بڑے بڑے علماء نے وطن سے دور رہ کر بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کیا، لیکن یہ پریشانیاں ان لوگوں کو علم کے حصول پر قائم رہنے سے باز نہیں رکھ سکیں، امام احمد رحمہ اللہ نے جب یمن میں عبدالرزاق صنعانی کی طرف سفر کیا تو ان کا نفقہ ختم ہو گیا

پس وہ راستے میں اونٹوں پر بوجھ لادنے والے بعض مزدوروں کے ساتھ شریک ہوگئے، یہاں تک کہ وہ صنعاء پہنچ گئے، اس وقت آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ کی مدد کرنا چاہی لیکن ان لوگوں سے کسی طرح مدد کو قبول نہیں کیا۔(۱)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے جوتے کو ایک نانبائی کے پاس کچھ کھانا کے بدلہ میں رہن رکھ دیا تھا اور یمن سے جاتے وقت نانبائی سے اس جوتا کو واپس لیا۔(۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ امام احمد کی ان تکلیفوں کو بیان کرتے ہیں جو انھوں نے علم حاصل کرنے میں یمن کی جانب سفر کرتے ہوئے اور وہاں قیام کے دوران برداشت کی، وہ کہتے ہیں: ''یمن میں دوران قیام ان کے کپڑے چوری ہوگئے، اس وجہ سے وہ اپنے گھر میں بیٹھے رہے اور دروازے کو بھیڑ دیا، ان کے ساتھیوں نے مجلس سے ان کو غائب پایا، اس لیے وہ لوگ ان کے پاس آئے اور غائب ہونے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے پوری بات بتلا دی، پس ان کے ساتھیوں نے ان کے لیے سونا پیش کیا، لیکن امام احمد رحمہ اللہ نے قبول نہیں کیا، بلکہ انھوں نے ان سے کتابت کے عوض بطور اجرت ایک دینار لیا اور اسی سے اپنی ضرورت پوری کی، اللہ ان پر بہت زیادہ رحمت نازل فرمائے''۔(۳)

امام بخاری رحمہ اللہ کی سوانح حیات بیان کرتے ہوئے خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے: ''عمر بن حفص اشقر کہتے ہیں ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کو بصرہ میں ایک دن حدیث لکھنے سے غائب پایا، ہم نے ان کو تلاش کیا تو ان کو ایک گھر میں ننگا پایا، کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی تھا ختم ہوگیا تھا اور کوئی چیز بھی باقی نہیں بچی تھی، اس لیے ہم تمام ساتھیوں نے اکٹھا ہو کر ان کے لیے درہم جمع کیا جس سے ان کے لیے کپڑا خریدا اور

---

(۱) مناقب الإمام أحمد لابن الجوزی: (ص:۲۲۶)

(۲) مناقب الإمام أحمد: (ص۲۲۶)، الحلیۃ: (۸/۱۷۴-۱۷۵)

(۳) البدایۃ والنہایۃ: (۱۰/۳۲۹)

ان کو پہنایا، پھر وہ ہم لوگوں کے ساتھ حدیث کی کتابت کے لیے چلے، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ زمین میں گری ہوئی چیزوں کو کھاتے تھے، کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ جس کے ذریعہ کھانا خریدیں''۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں عسقلان میں آدم بن ابوایاس کے پاس سے نکلا، میرے کھانے پینے کی چیز پیچھے رہ گئی (چھوٹ گئی) یہاں تک کہ میں اس حالت کو پہنچ گیا کہ زمین کی خشک گھاس کھانے لگا لیکن میں نے اپنی اس حالت سے کسی کو باخبر نہیں کیا، اچانک منگل کے دن ایک ایسا آدمی آیا جسے میں نہیں پہچانتا تھا، اس نے مجھے ایک تھیلی دیا جس میں کچھ دینار تھے اور اس نے کہا کہ اس دینار کو اپنے اوپر خرچ کرو۔(۲)

امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے علم حاصل کرنے میں جو تکلیفیں برداشت کیں اس کو بیان کرتے ہوئے خود کہتے ہیں کہ میں بصرہ میں ۲۱۴ھ میں آٹھ مہینے رہا اور میں ایک سال تک قیام کرنے کا خواہشمند تھا، جب میرے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہوگئیں میں نے یکے بعد دیگرے اپنے جسم کے کپڑے بیچ دیئے، یہاں تک کہ میرے پاس خرچ کے لیے کچھ باقی نہ بچا، پھر بھی میں اپنے دوست کے ساتھ مشائخ کے پاس گیا، ان سے شام تک سماع کیا، پھر میں اپنے دوست کے ساتھ لوٹا اور اپنے ماموں کے گھر لوٹ کر پانی سے اپنی بھوک بجھالیا، اسی طرح اگلے دن صبح کیا، تو شدید بھوک کے باوجود اپنے دوست کے ساتھ مشائخ کے یہاں گیا اور دن بھر ان سے حدیثیں سنتا رہا، اور شام کو اپنے دوست کے ساتھ بھوکا لوٹا، لیکن جب وہ اگلے دن میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ ہمارے ساتھ مشائخ کے پاس چلو تو میں نے اس سے کہا کہ میں کمزور ہوں اور مجھے جانے کی طاقت نہیں ہے، اس نے کہا تیری کمزوری کی وجہ کیا ہے؟ میں

(۱) تاریخ بغداد: (۱۳/۲)　　(۲) طبقات الشافعیۃ: (۲۲۷/۱۰)

نے کہا کہ آج میں اپنے معاملے کو تجھ سے نہیں چھپاؤں گا، دو دن گزر گئے ہیں اور میں نے ابھی تک کچھ کھایا نہیں ہے، اس نے کہا کہ میرے پاس ایک دینار باقی بچا ہے جس میں سے آدھا دینار میں تم کو دے سکتا ہوں، چاہو تو آدھا دینار کرایہ کے لیے استعمال کرلو تو میں نے اس سے آدھا دینار لے لیا، اور اس طرح ہم بصرہ سے نکلے۔ (۱)

اللہ کے لیے بھائی چارہ:

زندگی کا ہر تعلق آخرت میں دشمنی سے بدل جائے گا سوائے اس تعلق کے جو اللہ کے لیے ہو، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿الأخلاء يومئذ بعضهم لبعض عدو إلا المتقين﴾ (۲) (قیامت کے دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیز گاروں کے)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی ہر دوستی اور معیت جو اللہ کی خوشنودی کے لیے نہ ہو قیامت کے دن دشمنی سے بدل جائے گی، مگر وہ دوستی جو اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو وہ ہمیشہ قائم و دائم رہنے والی ہے۔ (۳)

جو لوگ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے بھائی چارگی قائم کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اللہ تعالی ان سے محبت کرتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ان رجلا زار أخا له في قرية أخرى فأرصد الله تعالى على مدرجته ملكا، فلما أتى عليه قال أين تريد؟ قال: أريد أخا لي في هذه القرية، قال: هل لك عليه من نعمة تر بها عليه؟ قال: لا، غير أني أحبه في الله، قال: فانى رسول الله إليك فإن الله قد أحبك كما أحببته فيه" (۴) ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی

(۱) سیر اعلاء النبلاء: (۲۶۵/۱۳) (۲) الزخرف: (۶۷)
(۳) تفسیر ابن کثیر: (۱۳۳/۴) (۴) مسلم

کی زیارت کے لیے گیا تو اللہ تعالی نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا جو اس کا انتظار کرتا تھا، جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا اس بستی میں میرا ایک بھائی رہتا ہے اس کے پاس جا رہا ہوں، فرشتے نے پوچھا: کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے؟ جس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھا رہے ہو؟ اس نے کہا نہیں، صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں، فرشتے نے کہا: میں تیری جانب اللہ کا قاصد ہوں، بے شک اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے جیسے تو اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔

اللہ کی خاطر محبت محفوظ و مامون محبت ہے جو مکر وفریب سے پاک ہے، خیانت ودھوکہ سے دور ہے، جس میں فساد کا خوف نہیں ہے، دنیاوی مصلحتوں سے محفوظ ہے اور اس وقت تک باقی رہنے والی ہے جب تک اللہ رب العالمین باقی ہے اور معلوم ہے کہ اس کی ذات پاک اور زندہ رہنے والی ہے، وہ کبھی موت کا جام نوش نہیں کرے گی۔

اللہ کے لیے بھائی چارگی ایسی عبادت ہے جو فائدے اور انسیت سے ملی ہوئی ہے اور جس میں ایمان، خیر خواہی، راز کی حفاظت، اپنے بھائی کو نفع پہنچانے اور اس سے نقصان کو دفع کرنے والے عمل کے ذریعہ زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ اس بھائی چارگی کی محبت سچ بات، حسد سے دوری اور مکر وفریب سے اجتناب کی وجہ سے صاف ستھری ہوتی ہے، اور اس کے سچ ہونے کی نشانی عہد کو پورا کرنا، امانت کی حفاظت کرنا اور ہدیہ دینا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تهادوا تحابوا" (١) تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ دو تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔

کمال ایمان بھائی چارگی سے مقید ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "والذي نفسي بيده لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا" (٢) قسم

(١) رواہ البخاری فی الأدب المفرد (٢) مسلم

ہےاس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،تم جنت میں نہیں جاؤ گے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ اورتم مومن نہیں ہوگے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو، اس کی حقیقت (یعنی بھائی چارگی کی حقیقت) ایک ایسے جسم جیسی ہے جس میں دل متعدد ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "المؤمنون کرجل واحد" تمام مومن ایک آدمی جیسے ہیں۔(۱) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالحمى والسهر" (۲) مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے، ایک دوسرے پر رحم کرنے، ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک جسم کے مانند ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم بخار اور بیداری کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔

چونکہ تمام مومنین بھائی بھائی ہیں اس لیے آپس میں ایسے امور بجالانے کا حکم دیا گیا جس سے دلوں میں محبت واجتماعیت پیدا ہو اور ایسے امور سے منع کیا گیا ہے جس سے دلوں میں نفرت اور اختلاف پیدا ہو۔

علماء کے دروس میں حاضری:

علماء کے دروس میں حاضری ایک عظیم عبادت ہے، ان دروس سے ایمان کی زیادتی اور ایسے نیک لوگوں کی صحبت حاصل ہوتی ہے جن کے چہرے سے اللہ کی خشیت ومراقبت اور امت کی خیرخواہی ظاہر ہوتی ہے، عالم کے پاس بیٹھنے سے کمزوروں اور فقیروں کے ساتھ شفقت اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کی گفتگو میں سچائی ہوتی ہے اور ان کے اعضاء وجوارح پر شفافیت، عبادت کی کثرت، اپنے اوقات کی حفاظت کی نشانی ہوتی ہے ان کے اندر بزرگوں کی بردباری

---

(۱) مسلم (۲) بخاری ومسلم

اور عقلمندوں کی حکمت ہوتی ہے، وہ اپنے ہم عصروں کے ساتھ دوست کی وفاداری اور محبت کی حفاظت والا معاملہ کرتے ہیں، اور اجنبی غریب الوطن کے ساتھ مہمان کی طرح مہمانی نوازی کرتے ہیں، ان کی مجلسوں میں اسلاف کی سیرتوں کی یاددہانی ہوتی ہے اور آخرت کے امور کا برابر ذکر کیا جاتا ہے، ایک نوخیز آدمی ان کے دروس میں آکر ان کے دلوں میں محفوظ کتابوں کا علمی سرمایہ حاصل کرتا ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی پڑھی ہوئی بہترین چیز کو یاد کیا، اور جن کو یاد کیا ان کو اپنی مجالس میں ظاہر کیا، تو اس سے کتابوں میں موجود الفاظ کی تصحیح ہوتی ہے، اور آدمی جو کچھ پڑھتا اور یاد کرتا ہے اس میں بھلائی کی طرف اس کی رہنمائی ہوتی ہے، نیز اکابر علماء کی لکھی ہوئی عبارتوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، اس طرح ان علماء کی مجلسوں اور دروس میں مختلف بھلائیاں اور متنوع فائدے ہیں، اس لیے آپ سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے بنیں، ان سے سب سے زیادہ قریب رہیں اور ان کے دروس سے قریب رہیں تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ ان کے علوم واخلاق کے چشمے سے فیضیاب ہوں گے۔

علماء کا احترام:

علماء بندوں کے رہنما، شہروں کے مینار اور امت کے قائد ہیں، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''معلم کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے کسی تاریک راستے میں کوئی چراغ لگایا کہ اس سے راستے میں گزرنے والے فائدہ اٹھائیں''۔

علماء کی تعظیم شریعت اور دین کی تعظیم میں سے ہے کیونکہ یہی لوگ اللہ کے نبیوں کی دعوت میں ان کے جانشین ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "العلماء ورثة الأنبياء" (١) علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اسلاف کرام علماء کی تعظیم اور ان کی عزت کیا کرتے تھے۔

---

(١) مسند احمد

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں: ''میں امام شافعی رحمہ اللہ کی موجودگی میں ان کے ڈر کی وجہ سے پانی پینے کی جرأت نہیں رکھتا تھا جب کہ وہ میرے جانب دیکھ رہے ہوتے''۔ علماء سے سوال کرنا علم ہے، ان کی ہم نشینی اختیار کرنا نیک بختی ہے، ان سے میل جول میں عمل واخلاق کی درستگی ہے، اوران سے چمٹے رہنے میں اللہ کے حکم سے نوجوانوں کی گمراہی اور غلطی سے حفاظت ہے۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''آدمی کے فقیہ ہونے کی علامت میں سے ہے کہ اس کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا علماء کے ساتھ ہو'' علماء کی مجلسوں کا فائدہ صرف یہی نہیں ہے کہ اس سے علم ومعرفت میں زیادتی ہوتی ہے بلکہ اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اخلاق وکردار، بلند ہمتی اور دوسروں کو نفع پہنچانے کے معاملہ میں ان کی اقتداء حاصل ہوتی ہے، میمون بن مہران کہتے ہیں: ''میں نے علماء کی مجلسوں میں اپنے دل کی درستگی کو پایا''۔ مسلم نوجوانوں کے علماء سے دوری اختیار کرنے کی وجہ سے علم کے حصول میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اس سے رائے میں خود پسندی، فرقہ بندی اور عبادت میں کمی پیدا ہوجاتی ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''علماء کی مجلسوں میں بیٹھو، اس لیے کہ اگر تم اچھا کام کروگے تو اس پر تمہاری تعریف ہوگی، کوئی غلط کام کروگے تو تمہاری جانب سے تاویل کی جائے گی اور عذر پیش کیا جائے گا، اگر کوئی خطا کروگے تو تم کو سرزنش نہیں کی جائے گی، اگر کسی چیز سے لاعلم ہوگے تو تمہیں بتلایا جائے گا اور اگر علماء تمہارے لیے شہادت دیں گے تو تم کو فائدہ ہوگا''۔ اس لیے علماء کی مجالس میں ادب اور خاکساری کے ساتھ حاضری دیا کرو، نرمی کے ساتھ ان سے سوال کرو اور بہترین طریقے سے تم ان سے گفتگو کرو۔

بہت جلد پھل حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو:

ایک ہی دفعہ میں سب علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ جس شخص نے ایک

ہی دفعہ میں علم حاصل کرنے کا قصد کیا تو اس کا علم جلد ہی ختم ہو جائے گا، بلکہ رفتہ رفتہ اخلاص کے ساتھ علم حاصل کرو۔

جب تم علم حاصل کرنا شروع کرو تو لمبی لمبی اور اختلافی مسائل کی کتابوں کو نہ پڑھو، کیونکہ تم ابھی ابتدائی مرحلے میں ہو، جب تم متون کو حفظ کرنا شروع کرو تو جن متون کو اسلاف ایک مہینہ میں یاد کرتے تھے اس کو تم چند دنوں میں یاد مت کرو، شیخ محمد بن ابرہیم رحمہ اللہ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ طریقہ یہ تھا کہ وہ الفیہ ابن مالک سے روزانہ صرف تین اشعار، بلوغ المرام سے تین حدیث، زاد المستقنع سے تین سطر حفظ کراتے تھے، اس وجہ سے زاد المستقنع تین سالوں میں ایک مرتبہ ختم ہوئی تھی، اس بہترین اور اچھے اسلوب کی وجہ سے ماہر علماء پیدا ہوئے۔

علماء اپنی بعض کتابوں کی تصنیف میں کئی کئی سال گزار دیتے ہیں، ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ''مداواۃ النفوس'' لکھنے میں اپنی عمر کا اکثر و بیشتر حصہ کھپایا ہے، جبکہ وہ صرف اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے(۱)، ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فتح الباری شرح بخاری کو لکھنے میں پچیس سال صرف کیا، اسی طرح دعوت وتبلیغ کرنے والے کو اپنی دعوت وتبلیغ کا پھل دعوت قبول کرنے والوں کی کثرت میں نہیں تلاش کرنا چاہیے، بلکہ اسے اپنا عمل بیان وتبلیغ تک محدود رکھنا چاہیے، کیونکہ ہدایت دینا اور دلوں کو پھیرنا مبلغ کا کام نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: ﴿ما على الرسول إلا البلاغ، والله يعلم ما تبدون وما تكتمون﴾ (۲) (رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالی وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو)

بس تم پہنچا دو اور تیرا رب رہنمائی کرنے والا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وما

(۱) مداواۃ النفوس: (ص:۵)　(۲) المائدۃ: (۹۹)

رميت اذ رميت ولكن الله رمى﴾ (۱)(آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالی نے وہ پھینکی ہے) نبی کریم ﷺ نے کتنی کوشش اپنے چچا ابو طالب کے لیے کی، لیکن آپ ان سے جو چاہتے تھے حاصل نہ کر سکے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿انك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء وهو أعلم بالمهتدين﴾ (۲) (اے نبی! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالی ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے، ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے)

بعض انبیاء ایسے ہیں جو اپنی قوموں کو سالہا سال دعوت دینے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ان کی قوموں نے دعوت قبول نہیں کیا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "عرضت علي الأمم فرأيت النبي معه الرجل والنبي معه الرجلان والنبي معه الرهط والنبي ليس معه أحد" (۳) مجھ پر امتیں پیش کی گئیں تو میں نے دیکھا کہ ایک نبی ہے اس کے ساتھ چند آدمی ہیں، ایک اور نبی ہے اس کے ساتھ صرف دو آدمی ہیں، ایک اور نبی ہیں جن کے ساتھ کوئی نہیں۔ اس لیے تم نیک عمل اخلاص کے ساتھ کرو اور عمل کے نتیجے کی پرواہ مت کرو۔

علم پر عمل:

علوم صرف اس لیے وضع کیے گئے ہیں تا کہ وہ نفع بخش علم کی طرف آدمی کی رہنمائی کریں، صرف نا معلوم چیز کو جان لینا علم نہیں ہے بلکہ اس کی معرفت سے فائدہ حاصل کرنا اصل علم ہے، حقیقی نفع بخش علم وہ ہے کہ اس کا اثر صاحب علم پر نمایاں ہو، یعنی چہرے پر نور، دل میں خوف، معاملات میں درستگی، اللہ کے ساتھ دوستی، نفس اور لوگوں کے ساتھ صداقت ہو، اللہ رب العالمین نے جنت میں داخلے کے لیے عمل صالح کو ایمان کے ساتھ جوڑ دیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إن الذين آمنوا

---

(۱) الانفال: (۱۷) (۲) القصص: (۵٦) (۳) بخاری

وعملوا الصالحات لهم جنات تجري من تحتها الأنهار ذلك الفوز الكبير﴾ (۱) (بے شک ایمان قبول کرنے والوں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے، پس ایمان کے ساتھ نیک عمل کو ذکر کیا گیا)

اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کی اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے مذمت بیان کی ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا: ﴿وآتيناهم بينات من الأمر فما اختلفوا إلا من بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم إن ربك يقضي بينهم يوم القيامة فيما كانوا فيه يختلفون﴾ (۲) (اور ہم نے انھیں دین کی صاف صاف دلیلیں دیں پھر انھوں نے اپنے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد آپس کی ضد بحث سے ہی اختلاف برپا کر ڈالا، یہ جن جن چیزوں میں اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ قیامت والے دن ان کے درمیان تیرا رب کرے گا) اور نصاری کی مذمت بیان کی اور ان کو ضلالت وگمراہی سے متصف کیا ان کی جہالت اور بغیر علم اپنے رب کی عبادت کی وجہ سے۔

اپنے علم پر عمل کرنے والا دو ملامت زدہ گروہوں یعنی یہود ونصاری کی صف سے نکل جاتا ہے، علم پر عمل محض عبادت کے تعلق سے نہیں ہے بلکہ مخلوق کے ساتھ معاملات کرنے، سچ بات بولنے، وعدہ پورا کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، صلہ رحمی کرنے اور دوسروں سے درگزر کرنے کے تعلق سے بھی ہے، یہ تمام چیزیں علم پر عمل کرنے کے مترادف ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق کہتے ہیں: ”ان کے بعض بڑے ساتھی کہا کرتے تھے کہ کاش میں اپنے دوستوں کے لیے ویسے ہی

---

(۱) البروج: (۱۱)　(۲) الجاثیة: (۱۷)

رہوں جیسے شیخ الاسلام اپنے دشمنوں اور مخالفین کے لیے تھے، میں نے ان کو ان میں سے کسی پر بد دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ وہ ان لوگوں کے حق میں دعا کرتے تھے، ایک دن میں ان کے بہت بڑے دشمن اور سب سے سخت عداوت رکھنے اور تکلیف دینے والے کی موت کا مژدہ سنانے کے لیے آیا تو انھوں نے مجھے ڈانٹا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ''إنا للہ وإنا الیہ راجعون'' پڑھا، پھر تعزیت کے لیے فوراً ان کے گھر گئے اور انھیں تسلی دی اور کہا کہ میں تم لوگوں کے لیے ان کی جگہ پر ہوں، تمہیں جو کوئی ضرورت ہو میں تم لوگوں کی مدد کے لیے حاضر ہوں اور اس طرح کی باتیں کی، وہ لوگ ان سے خوش ہوگئے، ان کے لیے دعا کی اور ان کی تعظیم کی، اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو، انتہی۔(۱) اس طرح علم نفسوں کو مہذب بناتا ہے، خواہشات کو کنٹرول کرتا ہے نیز شہوتوں پر قابض ہوجاتا ہے اور شریعت نے اسی کی تعلیم دی ہے۔

اللہ کی جانب دعوت دینا:

بہترین اعمال اور سب سے بڑی نیکی اللہ رب العالمین کے نزدیک اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا ہے، اللہ کے میزان میں سب اچھی باتیں داعی الی اللہ کی باتیں ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين﴾ (۲) (اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں)

یہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا طریقہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وما أنا من المشركين﴾ (۳) (اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے

(۱) مدارج السالکین: (۲/۳۴۵) (۲) حم السجدہ: (۳۳) (۳) یوسف: (۱۰۸)

میری راہ یہی ہے میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ، اللہ رب العالمین پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں)

ہدایت پانے والا جو بھی عمل کرتا ہے اس میں دعوت دینے والے کا حصہ ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من دل على خير فله مثل أجر فاعله" (۱)
جس شخص نے کسی بھلائی پر رہنمائی کی تو اس کے لیے اس کے کرنے والے کے برابر اجر ہے۔

دعوت الی اللہ ان بنیادی چیزوں میں سے ہے جس پر یہ دین قائم ہے، یہ نجات کا راستہ ہے، اور ہمارے رب نے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ انسان جب چاروں چیزوں کو ادا کرے گا تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں نہیں ہے اور وہ یہ ہیں: اللہ پر ایمان، عمل صالح، حق کی وصیت اور صبر، اس کا ذکر اللہ رب العالمین نے ایک مکمل سورہ میں کر دیا ہے: ﴿والعصر، ان الانسان لفي خسر، إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر﴾ (۲)
(زمانہ کی قسم! بے شک انسان سر تا سر نقصان میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور (جنھوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی)

پس حکمت، وقار اور بہترین نصیحت کے ذریعہ اللہ کی طرف دعوت دو، اور لوگوں کو دعوت دینے میں تردد نہ کرو، جب تم کسی شخص کو نماز میں سستی کرتے ہوئے دیکھو تو اسے نماز پڑھنے کی تلقین کرنا دعوت ہے، والدین کی نافرمانی کرنے والوں کو نافرمانی کا انجام یاد کرانا رہنمائی ہے، قطع رحمی کرنے والوں کو وعظ سنانا نصیحت ہے۔

---

(۱) مسلم (۲) العصر

اگر آدمی بلیغ اللسان نہ ہو لیکن دعوت وتبلیغ کرنا چاہتا ہو تو کیا کرے؟

بلاغت، فصاحت اور حسن بیان دعوت الی اللہ کے لیے قید نہیں ہے، کیونکہ کلیم الرحمٰن موسی علیہ السلام جن کی زبان بیان سے عاجز تھی اور انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالی سے اپنے اس قول کے ذریعہ سوال کیا: ﴿واحلل عقدة من لساني﴾ (۱) (اے اللہ! تو میری زبان کی گرہ کھول دے) جبکہ موسی علیہ السلام کا دشمن فرعون جس کو کلام کی وضاحت پر قدرت حاصل تھی، اسی لیے فرعون نے کہا: ﴿أم أنا خير من هذا الذي هو مهين ولا يكاد يبين﴾ (۲) (میں بہتر ہوں بہ نسبت اس کے جو بے توقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا) یعنی وہ کلام اور بیان کو اچھی طرح نہیں کرسکتا، فصاحت اور وضاحت نہ ہونے کے باوجود موسی علیہ السلام کے متبعین کی تعداد دوسری امتوں سے بہت زیادہ ہوگی، پس تم کو جتنا بھی علم اور فصاحت میں سے ملا ہے اسی کے بقدر دعوت وتبلیغ میں پوری جد وجہد اور کوشش کرو اور شرم وحیا تمہارے لیے دوسروں تک بھلائی پہنچانے میں رکاوٹ نہ بنے۔

دعوت الی اللہ صرف منبر پر تقریر کرنے یا مجلسوں میں وعظ ونصیحت کرنے تک محدود نہیں ہے بلکہ دعوت الی اللہ کے مختلف طریقے ہیں، چنانچہ کسی شخص کو تنہائی میں نصیحت کرنا دعوت ہے، بھلائی کے کاموں میں مالی امداد کرنا فضیلت اور ثواب کا کام ہے، دعوت کے راستوں اور طریقوں کو آسان بنانا بھی ایک دعوتی کام ہے اور اس طرح معاشرے میں سبھی طبقے کے لوگ اپنے مال، دل اور زبان کے ذریعہ داعی اللہ ہیں۔

خیر خواہی:

لوگوں کے اندر کوتاہی اور عیب کا پایا جانا ایک فطری امر ہے اور دین کی بنیاد

---

(۱) طہ: (۲۷) (۲) الزخرف: (۵۲)

لوگوں کی خیرخواہی اوران کے عیوب کی پردہ پوشی پررکھی گئی ہے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "الدين النصيحة قلنا لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم" (۱) دین خیرخواہی کرنے کا نام ہے، ہم نے کہا کس کی خیرخواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العالمین کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی اورعام مسلمانوں کی۔

پس خیرخواہی معاشرے کی اصلاح کی بنیادوں میں سے ہے، اسی چیز کو اللہ کے تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو دعوت دینے میں اپنایا ہے، چنانچہ نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ﴿أبلغكم رسالات ربي وأنصح لكم وأعلم من الله ما لا تعلمون﴾ (۲) (نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا) میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اورتمہاری خیرخواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں)

اور ہود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿أبلغكم رسالات ربي وأنا لكم ناصح أمين﴾ (۳) (ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا) میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام کو پہنچاتا ہوں اور میں تمہاراامانت دارخیرخواہ ہوں) صالح علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا: ﴿فتولى عنهم وقال يقوم لقد أبلغتكم رسالة ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين﴾ (۴) (صالح علیہ السلام اپنی قوم سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچادیا تھا اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی لیکن تم لوگ خیرخواہوں کو پسند نہیں کرتے)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خیرخواہی پر نبی کریم ﷺ سے بیعت کرتے

---

(۱) مسلم (۲) الأعراف: (۶۲)

(۳) الاعراف: (۶۸) (۴) الاعراف: (۷۹)

تھے، چنانچہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بايعت رسول الله ﷺ على إقامة الصلاة وإيتاء الزكاة والنصح لكل مسلم" (۱) یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

نصیحت کرنے والا بہترین دل والا، اچھے سینے والا، بہترین اخلاق والا اور نرمی کرنے والا ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے اسلاف کا مقام و مرتبہ بلند ہوا، ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ نے کہا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر روزہ اور نماز کے ذریعہ فوقیت حاصل نہیں کی، بلکہ اس چیز کی وجہ سے فوقیت حاصل کی جو ان کے دل میں تھی''۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا: ''ان کے دل کے اندر اللہ کے لیے محبت اور مخلوق کی خیر خواہی کا جذبہ تھا''۔

جس بندۂ خدا کو خیر خواہی کے ذریعہ معاشرہ کے اصلاح کی محبت عطا کی گئی تو اس کو شرف وفضیلت سے نوازا گیا۔ فضیل بن عیاض کہتے ہیں: ''جس شخص نے بھی ہم سے ملاقات کی اس نے ہمارے پاس بہت زیادہ نماز اور روزہ نہیں پایا بلکہ اس نے ہماری جانب سے سخاوت، سینے کی درستگی اور امت کی خیر خواہی کو پایا''۔

اور یہ چیز بڑے اعمال میں سے ہے، ابن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کون سے اعمال سب سے افضل ہیں؟ تو انھوں نے کہا: اللہ کے لیے خیر خواہی''۔ اگر تم نے معاشرے میں نصیحت کو چھپایا تو تم نے اس کی غیبت کو ظاہر کر دیا، تم کو وہی شخص نصیحت کرتا ہے جو تم سے محبت کرتا ہے، اور محبت کرنے والے کی نصیحت پردہ پوشی کا سبب ہونا چاہیے، ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سلف صالحین جب کسی شخص کو نصیحت کرنا چاہتے تو اس کو چپکے سے نصیحت کرتے یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ جس

(۱) بخاری ومسلم

شخص نے اپنے بھائی کی آپس میں خیر خواہی کی تو یہی نصیحت ہے اور جس نے لوگوں کے سامنے اس کو نصیحت کی تو گویا کہ اس نے اس کو ملامت کیا اور ڈانٹا ہے''۔(۱)

تم اس شخص کو نصیحت کرنا ضروری سمجھو جو تم سے نصیحت کا طلب گار ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "حق المسلم على المسلم ست" کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہے، اسی میں ہے: "وإذا استنصحك فانصح له" جب تم سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کو خیر خواہی کرو۔(۲)

اپنے بھائی کو جب تم نصیحت کرو تو وہ نصیحت، شفقت، مہربانی، ہمدردی کے ساتھ ہونی چاہیے اور نصیحت کمال کو اس وقت پہنچتی ہے جب وہ چڑانے کے جذبے، حسد کے جذبے اور رسوائی کے جذبے سے دور ہو، جب بھی کوئی نصیحت شریعت کے اصول وضوابط کے دائرے میں ہوگی تو وہ دل کو چھونے والی اور زیادہ اثر انداز ہوگی اور حالات کو بدلنے میں زیادہ تیز ثابت ہوگی، تو تم کسی بھی شخص کو نصیحت کرنے میں تردد مت اختیار کرو اور نہ اس کو حقیر جانو، اس لیے کہ کبھی کبھی چند الفاظ کے ذریعہ اللہ اس کے حالات کو تبدیل کر دیتا ہے کہ جس کو کہنے والا چند لمحوں کے بعد بھول جاتا ہے، لیکن اس کے کہنے والے کی سچائی کی وجہ سے وہ تمہارے بھائی کے دل میں جم جاتی ہے۔

مصیبتوں پر صبر کرنا:

آدمی کو اپنی زندگی میں فتنے، بڑی بڑی مصیبتیں، آزمائش اور مشقتیں لاحق ہونا لازمی ہیں کیونکہ آزمائش اور پریشانی ہی سے ایمان کے نور میں جلا پیدا ہوتی ہے اور یقین راسخ ہوتا ہے، زندگی مشقتوں اور خطروں پر قائم ہے، لہٰذا کسی کو یہ امید نہیں لگانی چاہیے کہ وہ مصیبتوں اور تکلیفوں سے بالکل نجات پا جائے گا بلکہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ لگی رہے گی۔ علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ

---

(۱) جامع العلوم والحکم: (۲۲۵/۱) (۲) مسلم

ہمیشہ سلامتی میں رہے اور بغیر پریشانی ومصیبت کے عافیت میں زندگی گذارے تو اس نے مکلّف ہونے کا معنی اور تسلیم ورضا کا مفہوم نہیں جانا''۔(۱)

تکلیف کا ہونا ہر ذی روح کے لیے ضروری ہے خواہ وہ ایمان والا ہو یا کافر، اور ہجرت سچوں کو جھوٹوں سے الگ کردیتی ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿أحسب الناس أن يتركوا أن يقولوا آمنا وهم لا يفتنون﴾ (۲) (کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوی پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انھیں بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیں گے)؟ ابتلا اور آزمائش مقاصد کے برعکس اور امیدوں کے خلاف کسی چیز کے ہونے کو کہتے ہیں۔

دنیا کسی کی نہیں ہوتی ہے چاہے آدمی اس دنیا سے ہر وہ چیز پالے جس کی وہ امید کرتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من يرد الله به خيرا يصب منه" (۳) اللہ رب العالمین جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے آزمائش میں مبتلا کردیتا ہے۔

آدمی اپنی زندگی میں نعمتوں کے الٹنے پلٹنے اور تکلیفوں کے آنے اور جانے کے درمیان کروٹیں لیتا رہتا ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ جسے جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس کے پاس برابر ناپسندیدہ چیزیں آتی رہتی ہیں، چالاک مومن مصیبتوں پر ثابت قدم رہتا ہے، اس کی عقل متغیر نہیں ہوتی ہے نہ ہی وہ اپنی زبان پر حرف شکایت لاتا ہے، مصائب اور تکالیف کو چھپانا شریفوں کی عادتوں میں سے ہے، ہلاک ہونے والے صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان سے مصیبتیں ختم ہوگئیں، پس جب آپ پر مصیبت نازل ہو تو یہ سوچ کر مصیبت کو ہلکا کرلو کہ تم سے اجر کا وعدہ ہے اور تمہارا معاملہ آسان ہوجائے تاکہ مشقت بغیر شکوہ کے زائل ہوجائے اور ہمیشہ یہ یاد

---

(۱) صید الخاطر: (ص:۳۸۴) (۲) العنکبوت: (۲) (۳) بخاری

رکھو کہ تمہیں نہیں دیا گیا مگر دینے کے لیے، اور نہیں آزمایا گیا مگر عافیت پانے کے لیے اور نہیں امتحان لیا گیا مگر پاک وصاف کرنے کے لیے''۔(۱)

مصیبت کو آسان کرنے کا طریقہ:

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''سب سے مشکل کام دنیا میں مصیبتوں پر صبر کرنا ہے اور اس میں اللہ کی رضامندی تلاش کرنا سب سے اونچا اور افضل کام ہے''۔(۲) جس شخص نے دنیا کے سمندر میں غور وفکر کیا اور یہ جان لیا کہ کیسے موجوں کا سامنا کیا جاتا ہے اور کیسے گردش زمانہ پر صبر کیا جاتا ہے تو وہ شخص مصیبت کے آنے سے نہیں گھبرائے گا اور نہ ہی جلدی والی فراخی سے خوش ہو جائے گا پس تم دنیا کی نعمتوں کے فوت ہو جانے سے تکلیف نہ محسوس کرو اور جو کچھ مصیبتیں نازل ہوئیں ان کو ایسے سمجھو جیسے وہ نازل نہیں ہوئیں، اور جو کچھ طلب کرنے کے بعد نہیں ملا تو ایسے سمجھو جیسے تم نے طلب نہیں کیا۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ عوارض اور مصیبتیں گرمی اور ٹھنڈک کے مانند ہیں جب بندہ یہ جان لے گا کہ اس کا آنا ناگزیر ہے تو ضرور ان دو چیزوں کے آنے سے غصہ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو اس کی وجہ سے کسی طرح کا حزن وملال ہوگا''۔(۳)

زندگی کے حادثات دراصل تکلیف اور غم ہیں اور زندگی میں لوگوں کو ان کے حوصلے اور ہمت کے اعتبار سے آزمایا جاتا ہے، زندگی میں خوشی ہی دراصل غم کا دوسرا نام ہے، زندگی کی تکلیفیں اس کی لذتوں سے ہی پیدا ہوتی ہیں اور غم خوشیوں سے جنم لیتے ہیں، ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک دنیا کے حقیر ہونے کی نشانی میں سے ہے کہ اس کی نافرمانی دنیا ہی میں کی جاتی ہے اور دنیا چھوڑ کر ہی وہ چیزیں حاصل کی جاتی ہیں جو اللہ کے پاس ہے''۔ لہذا اللہ رب العالمین کی

---

(۱) الفوائد: (ص:۳۲)　(۲) صید الخاطر: (ص:۹۱)　(۳) مدارج السالکین: (۳۸۹/۳)

تقدیر، اس کی تخلیق اور اس کی تدبیر پر یقین رکھو اور اس کی مصیبت اور فیصلے پر صبر کرو، اس کے حکم پر تابع وفرماں بردار ہو جاؤ، کیونکہ دنیا دشواریوں اور گندگیوں سے بھری ہوئی، اور مشقتوں و پریشانیوں کے ساتھ پیدا کی ہوئی ہے۔ ابن مفلح نے کہا: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اکثر اس شعر سے دنیا کی مثال بیان کرتے تھے:

بینما یری الانسان فیها مخبرا
حتـــی یــری خبرا من الأخبار

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ انسان دنیا میں خبر پانے والا ہوتا ہے، یہاں تک کہ وہ خود ایک خبر بن جاتا ہے۔

طبعت علی کدر وأنت تریدها
صفــوا مـــن الاقذار والاکدار (۱)

تم طبعی طور پر گندگی کے ساتھ پیدا کیے گئے ہو جبکہ تم اس کو گندگی اور میل وکچیل سے بالکل پاک وصاف چاہتے ہو۔

لہذا تقدیر پر ایمان رکھنے والے بنو، اس لیے کہ تقدیر پر ایمان رکھنا دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جائے وہ پائی نہیں جاسکتی، دعا میں خشوع وخضوع اور اللہ کی بارگاہ میں مکمل توجہ کے ذریعہ دروازے کھولے جاتے ہیں اور اپنی مرغوب چیز پائی جاتی ہے، لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے امیدیں لگانا بند کردو تو تم سب سے امیر ہو جاؤ گے، اور کبھی مایوس مت ہو، ورنہ تم نامراد ہو جاؤ گے اور اپنے اوپر اللہ تعالی کی اتنی زیادہ نعمتوں کو یاد کھو، اور غم کو تقدیر پر قطعی رضامندی کے ذریعہ دور کرو، کیونکہ رات چاہے جتنی بھی طویل ہو آخر اس کی ایک صبح ہوتی ہے اور جہاں غم کی انتہا ہوتی ہے وہیں خوشی کی ابتدا ہوتی ہے۔ پس اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑاؤ

(۱)الآداب الشرعیة: (۲/۲۴۷)

توکشادگی تمہاری جانب چل کرآئے گی ، اللہ سے چمٹ جانے والے نے جب بھی صبر کا جام پیاتو مشکلات سے نجات کا راستہ خودآسان ہوگیا ہے۔

انبیاءاورآزمائش:

آزمائش کے ذریعہ اچھے لوگوں کی شان بلند کی جاتی ہے اور نیکوکاروں کا اجر وثواب بڑھایا جاتا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کس شخص کوسب سے زیادہ مصیبت لاحق ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیاءکو، پھر نیک لوگ پھران سے نیچے کے لوگ ہیں، آدمی کواس کے دین کے اعتبار سے آزمایا جاتا ہے، اگراس کے دین میں مضبوطی ہوتی ہے تواس کی آزمائش میں زیادتی کردی جاتی ہے، اوراگراس کے دین میں نرمی ہوتی ہے تواس کی آزمائش میں آسانی کردی جاتی ہے۔ برابرمومن آزمائش میں ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ ایسا ہوجاتا ہے کہ جب زمین پر چلتا ہے تواس کے اوپرکوئی گناہ نہیں ہوتا''۔(۱)

آزمائشوں کا راستہ ایک پرمشقت پل ہے جس پر چلتے چلتے انسان تھک جاتا ہے اور اسی راہ میں حضرت خلیل کوآگ میں ڈالا گیا، اور ذبح کرنے کے لیے اسماعیل علیہ السلام کولٹایا گیا، اور مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کوڈالا گیا اور حضرت ایوب نے تکلیفیں برداشت کیں، اور سستی قیمت میں حضرت یوسف علیہ السلام بیچے گئے نیز جھوٹا الزام لگا کرکنویں میں ڈالے گئے اور پھرظلم کے ساتھ قیدخانے میں داخل کردیئے گئے، اسی طرح ہمارے نبی محمد ﷺ نے بھی بہت ساری تکلیفیں سہی ہیں اورآپ بھی اسی آزمائشوں کے راستے پرچل رہے ہیں۔

مومن صرف اس لیے آزمایا جاتا ہے تا کہ اسے مہذب بنایا جائے نہ کہ مصیبت اورعذاب میں مبتلا کیا جائے، اور حقیقی مصیبت تو دینی مصیبت ہے اور جواس کے علاوہ مصائب ہیں وہ عافیت ہے، اس میں درجات کی بلندی اور گناہ کا ختم ہونا ہے تواگرتم

---

(۱) بخاری

سے دنیا فوت ہوجائے تو تم افسوس مت کرو، کیونکہ اس کے حوادث نازل ہونے والے ہیں اوراس کے حادثات غم کا باعث ہیں اوراس کے راستے حزن وملال کا سبب ہوتے ہیں، انبیاء جب بھی آزمائے گئے تو انہوں نے اس آزمائش پرصبر کیا تو اے آزمائش میں مبتلا شخص! انسانوں کی پاکیزہ جماعت انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی طرح صبر کر، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی آخرت میں تمہارا حشر ان لوگوں کے ساتھ کردے۔

بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا:

بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا شریعت کے اصول میں سے ایک اصل ہے اور دین کی اہم ترین بنیادوں میں سے ہے، یہ اسلام کا مضبوط قلعہ ہے، یہ امت کو فتنے اور گناہوں کے شر سے محفوظ کرتا ہے اور مسلمانوں کو شیطان کے وسوسوں اور خواہشات نفس کی برائیوں سے بچاتا ہے۔ یہ ایک ایسی مضبوط عمارت ہے جس سے دین کے کڑے بندھے ہوئے ہیں، یہ عقیدہ، سیرت واخلاق کی اصلاح کرتا ہے، مصیبتوں اور برائیوں کو دور کرتا ہے، اس فریضہ کو ادا کرنے میں امت کی اصلاح، نعمتوں کی حفاظت، دعا کی قبولیت کا زیادہ امکان اور دشمنوں کے مکروفریب سے بچاؤ ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ درجات کی بلندی اور مخلوق کے ساتھ احسان کا ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ معاشرے میں آداب وفضائل بڑھتے اور بری عادات ومنکرات ختم ہوتے ہیں۔

بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کا مقام:

لوگوں میں مقام وشرف کے اعتبار سے سب سے بلند وبرتر وہ ہے جو اپنے آپ کی اصلاح کرے اور دوسروں کو خیر واصلاح کی دعوت دے، اور یہ اللہ کے منتخب نبی محمد ﷺ کی سب سے خاص صفات میں سے ہے، اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿یأمرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر﴾ (۱) (وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتے اور

(۱) الاعراف: (۱۵۷)

بری باتوں سے منع فرماتے ہیں)

اسی صفت نے اس امت کو دیگر امتوں کی پیشانی کی چمک اور ان کے اہم معاملے کی بلندی کا تاج بنا دیا ہے، اس صفت پر قائم رہنے والے مومنین کی اللہ رب العالمین نے تعریف کی، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله، أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم﴾ (۱)(مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون) اور دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے)

اور اس صفت کو چھوڑ دینے کو منافقوں کی کھلی صفات میں سے قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يأمرون بالمنكر وينهون عن المعروف ويقبضون أيديهم نسوا الله فنسيهم إن المنافقين هم الفاسقون﴾ (۲)(منافق مرد وعورت آپس میں ایک ہی ہیں، یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں اور مٹھی بند رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں بھلا دیا، بے شک منافق ہی فاسق وبدکردار ہیں) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم رہنے والے بغیر مال کے صدقہ کرنے والے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "وأمر بالمعروف ونهي عن المنكر صدقة" (۳) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔

یہ ایسی عظیم عبادت ہے جسے بندہ ادا کرتا ہے تا کہ اس سے اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں اور اس کی خطاؤں کو درگزر کر دیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "فتنة

(۱)التوبۃ:(۷۱)　(۲)التوبۃ:(۶۷)　(۳)صحیح مسلم

الرجل في أهله وماله ونفسه وولده وجاره تكفرها الصيام والصلاة والصدقة والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر". (۱) آدمی کو جو فتنہ اس کے گھر والے اور اس کے مال، اس کے نفس اور اس کی اولاد، اس کے ہمسائے سے پہنچتا ہے، وہ روزہ، نماز، صدقہ، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے ختم ہو جاتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے کے نقصانات:

جس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مخلوق کی ڈر سے چھوڑ دیا تو اس سے اطاعت چھین لی گئی اور اس کا رعب ختم ہو گیا، پس مداہنت سے بچو کیونکہ یہ ذلت اور پستی کا دروازہ ہے اور بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے کوئی ناراض ہو یا تم کو چھوڑ دے تو اس پر افسوس نہ کرو، مخلوق سے اپنی امیدیں نہ لگاؤ بلکہ مخلوق کے رب کو کافی سمجھتے ہوئے اسی پر بھروسہ کرو، اس شعار کو انجام دینے سے نہ تو روزی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور نہ ہی موت جلدی آتی ہے، اس شعار کو چھوڑ دینا اللہ تبارک وتعالی کا مخلوق پر ناراضگی کا اعلان ہے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جس کے دل نے معروف کو معروف نہیں جانا اور منکر کو منکر نہیں جانا تو اس کا معاملہ الٹ پلٹ جائے گا''۔ اور جو اس عبادت کو چھوڑتا ہے تو گنہگار لوگ اس کو ہلکے میں لیتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالی اس کے اوپر ایسے لوگوں کو مسلط کر دیتا ہے جو اس کو ایسی ایسی چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور ایسی ایسی چیزوں سے روکتے ہیں جو شریعت کے بالکل برعکس ہیں۔

کیا گناہ کرنے والا بھی منکر پر نکیر کرے؟

برائی سے روکنے والے کے لیے برائی چھوڑنا شرط نہیں ہے، بلکہ نافرمان لوگ (گنہگار) اپنے میں بعض بعض کو برائی سے روکتے ہیں، مسلمان پر بھلائی کا حکم دینا

---

(۱) صحیح بخاری

ضروری ہے اگر چہ اس کا حکم دینے والا اس پر عمل نہ کرے، اسی طرح مسلمانوں پر برائی سے روکنا بھی ضروری ہے اگر چہ وہ اس برائی کا ارتکاب کرتا ہو، لیکن یہ بات رہ جائے گی کہ اس کا قول اس کے فعل کے مخالف ہے، ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتا ہوں لیکن اس پر عمل نہیں کرتا ہوں، اس کے باوجود اللہ رب العالمین سے اس پر اجر کی امید رکھتا ہوں''۔(۱)

پس جو شخص گانے اور موسیقی کو سنتا ہے، لیکن جب وہ کسی آدمی کو سنتے ہوئے دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے اس حرام چیز کے سننے پر روکے اگر چہ وہ خود گانے کو سنتا ہے اور اگر وہ منکر کام سے سکوت اختیار کرتا ہے تو وہ دو حرام شئی کو جمع کرنے والا ہوگا، پہلا گانے سننا اور دوسرا منکر کام سے خاموشی برتنا اور اس پر نکیر نہ کرنا۔

جس شخص نے برائی کرنے والے کو دیکھا اور اسے اس برائی سے روکا نہیں تو اس نے اسے معصیت میں تنہا چھوڑ کر اس کی مدد کی جبکہ گناہ سے سکوت اختیار کرنے سے دراصل دل میں گناہ مزین ہوتا ہے، اور برائی کا ساتھ دینا اس بات کی علامت ہے کہ دل میں برائی کے تقاضے موجود ہیں۔

منکر پر کیسے نکیر کیا جائے؟

برائی سے روکنے کے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: ہاتھ سے روکنا، یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ اس کو دور کرنے کی قدرت رکھتا ہو، جیسے شوہر اپنے گھر میں ہونے والی برائی کو ختم کر سکتا ہے۔

دوسرا درجہ: زبان سے روکنا، یہ اس صورت میں ہے جبکہ وہ ہاتھ سے برائی ختم کرنے کے سلسلے میں معذور ہو جیسے وہ شخص جو کسی عورت کو بازار میں نمائش کرتے ہوئے دیکھے تو ایسی صورت میں اسے حکمت کے ذریعہ زبان سے برائی کو روکے۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: (۳۳۵/۲)

تیسرا درجہ: دل سے انکار کرنا، یہ اس حالت میں ہے جبکہ برائی کو روکنے والا ہاتھ اور زبان سے روکنے کے سلسلے میں معذور ہو، اور یہ انکار کے درجات میں سب سے کمزور درجہ ہیں، دل سے گناہ پر نکیر کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، یہ صفت کسی بھی حالت میں کسی مسلمان سے ساقط نہیں ہوسکتی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (۱) ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے روکے اور اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو دل سے اسے برا جان لے اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے''۔ ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''برائی دیکھنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اسے دل سے برا جانے پس جس شخص نے اپنے دل سے برائی پر نکیر نہیں کی تو یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے دل سے ایمان ختم ہو چکا ہے''۔ (۲)

منکر کرنے والے پر انکار کرنے سے ناامید مت ہو:

برائی کرنے والے کے دل کے دروازے کو بار بار کھٹکھٹاتے رہو کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ کب اللہ رب العالمین تمہارے ذریعہ اس کے دل کو کھول دے، نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں رہ کر اپنی قوم سے ناامید ہوئے بغیر دعوت دیتے رہے (اللہ کی طرف بلاتے رہے) تو جب بھی تم کسی برائی کرنے والے کو برائی کرتے ہوئے دیکھو تو حکمت اور نرمی کے ساتھ نصیحت کرنے میں سبقت کرو اور نصیحت کرنے میں دیر نہ کرو اس لیے کہ کبھی کبھی کوتاہی کرنے والا اپنے گناہ پر برقرار رہتے ہوئے اپنے رب سے ملاقات کرلیتا ہے اور آپ اس کی نصیحت نہیں کر پاتے پھر اپنی کوتاہی پر کف افسوس ملتے ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم (۲) جامع العلوم والحکم: (۲/۲۴۵)

برائی کوختم کرنے پرنظر نہ رکھیں:

یہ بات جان لو کہ ہر بھلائی کے حکم دینے اور برائی سے روکنے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ برائی ختم ہو جائے اور بھلائی ادا کی جانے لگے، کیونکہ استقامت کی لگام ہدایت دینے والے اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿انك لا تهدي من أحببت ولكن الله يهدي من يشاء وهو أعلم بالمهتدين﴾ (۱) (اے نبی! آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالی ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب آگاہ ہے) اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے: ﴿انما أنت نذير والله على كل شيء وكيل﴾ (۳) (اے نبی! آپ تو صرف ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ تعالی ہے)

برائی پر نکیر کرنے سے کبھی برائی ختم ہو جاتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی، لیکن جب تم اس فریضہ کو ادا کرو تو تم اپنی نگاہ کو اسے زائل کرنے پر مرکوز نہ رکھو، اگر منکر زائل نہ ہونے پر تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا تو یہ غلط ہوگا۔

بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں اگرچہ برائی کا ازالہ نہ ہو، انھیں فوائد میں سے ہے کہ مسلمان اس فریضہ کے ذریعہ عظیم ترین عبادتوں میں سے ایک عظیم عبادت ادا کرتا ہے اور اس کی ادائیگی کے ذریعہ اپنے رب کریم کا تقرب حاصل کرتا ہے اور اس طرح آدمی مومنوں کی صفات میں سے ایک صفت سے متصف ہو جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: ﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله ان الله عزيز حكيم﴾ (۳) (مومن مرد وعورت

---
(۱) القصص: (۵٦) (۲) ھود: (۱۲) (۳) التوبۃ: (۷۱)

آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی بہت جلد رحم فرمائے گا، بے شک اللہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے)

اس عبادت کو ادا کرنا گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ اور نعمتوں کی حفاظت نیز آسمانی عذاب کے ٹلنے کا سبب ہے، اس کے ذریعہ معاشرے میں وقوع پذیر برائیاں ختم ہوتی ہیں، یہ معاشرے کی اصلاح اور اسلام کے قلعہ کی حفاظت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، اسی کی وجہ سے امت فتنوں اور شبہات وشہوات میں واقع ہونے سے محفوظ ہوجاتی ہے، جو مخلوق پر ایک بہت بڑا احسان ہے اور اس کے علاوہ بھی منکرات سے روکنے کے فوائد ہیں۔

اگر برائی پر نکیر کرنے سے برائی ختم ہوجائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے، اور اگر اس کے ذریعہ برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے تب بھی بندہ اس فریضہ کو ادا کرکے کئی ایسے فوائد ومصالح حاصل کرلیتا ہے جس سے انفرادی واجتماعی بھلائیاں اور نعمتیں عام ہوتی ہیں اور یہی شریعت کے مقاصد میں سے ہے، ابن رجب رحمہ اللہ نے بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے مقاصد کو اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے: ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر ابھارنے والے متعدد امور ہیں، کبھی اس کے ادا کرنے پر اللہ کے ثواب کی امید ہوتی ہے تو کبھی اس کے چھوڑنے پر اللہ کے عذاب کا ڈر ہوتا ہے، کبھی اللہ کے محارم کی بے حرمتی پر اس کے غضب کا خوف ہوتا ہے تو کبھی مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کو ان امور سے نکالنے کی امید ہوتی ہے جن میں واقع ہوکر وہ دنیا وآخرت میں اللہ کے عذاب وعقاب کے حقدار ہوسکتے ہیں، اور کبھی اس عمل پر اللہ کی عظمت ومحبت اور اس کی بزرگی کا یہ احساس ابھارتا ہے کہ وہی اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے

اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے اور بھلایا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور ناشکری نہ کی جائے''۔(۱)

اگر بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کو تکلیف دی جائے تو وہ کیا کرے؟:

بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کو تکلیف دیئے جانے کا ہر وقت خطرہ ہے پس جو شخص اسے ادا کر رہا ہے اسے اس کے راستے پر چلنے میں وحشت محسوس نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جسے ادا کرنا ایمان کے ثمرات میں سے ہے، لہذا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے کو چاہیے کہ وہ اس راستے میں آنے والی مشقتوں کے خلاف ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کو ایک مضبوط قلعہ بنالے۔ابن کثیرؒ نے فرمایا:''بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والے کو لوگوں کی جانب سے تکلیف پہنچنا لازمی ہے اسی لیے اسے صبر کا حکم دیا گیا ہے''۔(۲)

لقمان حکیم کی وصیتوں میں سے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی ایک یہ ہے:

﴿يا بُنَيَّ أقم الصلاة وأمر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر على ما أصابك إن ذلك من عزم الأمور﴾ (۳) (اے میرے بیٹے! تم نماز قائم رکھو، اچھے کاموں کی نصیحت کرو، برے کاموں سے منع کرو، اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرو (یقین مانو) کہ یہ بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے) لقمان حکیم کا اپنے بیٹے کو بھلائی کا کام کرنے کے بعد صبر کا حکم دینا یہ اس تکلیف کی جانب اشارہ ہے جو اس فریضہ کو ادا کرنے میں آتی ہے۔ پست حوصلہ اور کمزوری پر بھروسہ کرنے والے سے دور رہو، ایمان اور اللہ پر توکل کر کے مصیبت کو برداشت کرتے رہو، صبر کرو، ثواب کی نیت رکھو اور کوشش کرتے رہو نیز اللہ کے اس قول کی روشنی میں لوگوں سے

---

(۱) جامع العلوم والحکم: (۲/۲۵۵)　　(۲) تفسیر ابن کثیر: (۳/۴۵۰)

(۳) لقمان: (۱۷)

بات کرو: ﴿قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله وما أنا من المشركين﴾ (۱) (اے نبی (ﷺ)! آپ کہہ دیجیے کہ میری راہ یہی ہے میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)

استہزاء کرنے والوں کی تکلیف پر صبر:

ہدایت بزرگ و برتر رب کی جانب سے ایک عطیہ ہے، جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی ہے، اس دنیا میں اللہ کی یہ سنت ہے کہ جو شخص اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رہتا ہے، اسے وہ آزماتا ہے تاکہ استقامت میں اس کی سچائی کی جانچ ہو جائے، اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: ﴿ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكاذبين﴾ (۲) (ان سے اگلوں کو بھی ہم نے خوب جانچا یقیناً اللہ تعالی انھیں بھی جانچ لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انھیں بھی معلوم کرلے گا جو جھوٹے ہیں)

اللہ کے رسولوں کا ان کی قوموں نے مذاق اڑایا، اللہ تعالی نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرماتا ہے: ﴿ويصنع الفلك وكلما مر عليه ملأ من قومه سخروا منه قال ان تسخروا منا فانا نسخرمنكم كما تسخرون﴾ (۳) (وہ (نوح علیہ السلام) کشتی بنانے لگے، ان کی قوم کے جو سرداران کے پاس سے گزرتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے، وہ کہتے اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی تم پر ایک دن ہنسیں گے جیسے تم ہم پر ہنستے ہو) اللہ جل وعلا نے خبر دیا ہے کہ جتنے بھی رسول بھیجے گئے سب کے اوپر مذاق اڑاتے ہوئے جادو اور پاگل پن کا الزام لگایا گیا، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿كذلك ما أتى الذين من قبلهم من رسول إلا قالوا ساحر أو

---

(۱) یوسف: (۱۰۸) (۲) العنکبوت: (۳) (۳) ھود: (۳۸)

مجنون﴾ (۱) (اسی طرح ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا انھوں نے کہہ دیا یا تو یہ جادوگر ہے یا دیوانہ) بعض صحابہ کرام سے بھی مذاق اور سخریہ کیا گیا، اور اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وإذا مروا بهم يتغامزون وإذا انقلبوا إلى أهلهم انقلبوا فكهين﴾ (۲) (ان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں آنکھ سے اشارے کرتے تھے، اور جب اپنے والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے تھے)

پس مذاق اڑانا پچھلے لوگوں سے چلا آنے والا طریقہ ہے، تو جس شخص نے تمہاری استقامت، یا لمبی داڑھی یا سنت کے مطابق پہنے ہوئے لباس کا مذاق اڑایا تو تم اس پر مغموم مت ہو کیونکہ اس کی خواہشات نفس یا جہالت اسے اس پر ابھارتی ہے جبکہ مذاق کرنے والا اپنے دل کی گہرائی سے ہدایت کا متمنی ہوتا ہے، لیکن یہ ہدایت اس کے قبضہ میں نہیں ہے، اللہ رب العالمین نے گمراہ لوگوں کے متعلق فرمایا: ﴿ربما يود الذين كفروا لو كانوا مسلمين﴾ (۳) (وہ بھی وقت ہوگا جب کافر اپنے مسلمان ہونے کی آرزو کریں گے) بلکہ وہ جانتا ہے کہ حق وہی ہے جس پر تم چل رہے ہو، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وجحدوا بها واستيقنتها أنفسهم ظلما وعلوا فانظر كيف كان عاقبة المفسدين﴾ (۴) (انھوں نے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پردازلوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا)

جو شخص تم سے مذاق کرے تو اسی چیز کو اپناؤ جسے انبیاء نے اپنایا یعنی صبر، درگذر، بردباری، وقار کو اختیار کرو اور جو تمھیں ایذا دیتا ہے ان سے دور رہو، اللہ سبحانہ وتعالی

---

(۱) الذاریات: (۵۲) (۲) المطففین: (۳۰-۳۱)
(۳) الحجر: (۲) (۴) النمل: (۱۴)

نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿فاصبر كما صبر أولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم كأنهم يوم يرون ما يوعدون لم يلبثوا إلا ساعة من نهار بلغ فهل يهلك إلا القوم الفاسقون﴾ (۱) (تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اوران کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کرو، یہ جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ دیئے جاتے ہیں تو (یہ معلوم ہونے لگے گا کہ) دن کی ایک گھڑی (دنیا میں) ٹھہرے تھے، یہ ہے پیغام پہنچا دینا، پس بدکاروں کے سوا کوئی ہلاک نہ کیا جائے گا)

ایک جگہ اور اللہ جل وعلا فرماتا ہے: ﴿ود كثير من أهل الكتاب لو يردونكم من بعد إيمانكم كفارا حسدا من عند أنفسهم من بعد ما تبين لهم الحق فاعفوا واصفحوا حتى يأتي الله بأمره إن الله على كل شيء قدير﴾ (۲) (اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کے واضح ہوجانے کے بعد محض حسد وبغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں، تم بھی معاف کرو اور چھوڑ دو، یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا حکم لائے، یقیناً اللہ تعالی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

اللہ رب العالمین نے لوگوں کو معاف اور درگذر کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ جل وعلا فرماتا ہے: ﴿خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين﴾ (۳) (اے نبی) آپ درگزر اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں)

تو جب تم سے مذاق کیا جائے تو تم اس پر خوش ہوجاؤ، کیونکہ یہ تمہاری استقامت کی صداقت اور تمہارے درجات کی بلندی کی بشارت ہے، چونکہ تم نے اعلی درجے کا اخلاق پیش کیا ہے، پس صبر اپنائے رہو اور اس دین پر مضبوطی سے قائم رہنے میں جزع فزع کرکے اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔

---

(۱) الاحقاف: (۳۵) (۲) البقرۃ: (۱۰۹) (۳) الاعراف: (۱۹۹)

دعا:

دعا عبودیت وبندگی کی بنیاد، یہ دل کا باغیچہ، دنیا کی جنت اور ایسی آسان عبادت ہے جو جگہ، زمانہ اور حالات کے ساتھ مقید نہیں ہے، نیز یہ مصیبت کا دشمن ہے جو اسے روکتی اور اس کا علاج کرتی ہے، اس طرح اس کو اترنے اور اسے زیادہ ہونے سے روکتی ہے یا اگر مصیبت آجائے تو دعا اسے ہلکا کردیتی ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "أنا لا أحمل هم الدعاء فاذا ألهمت الدعاء فان معه الإجابة".

دعا اللہ رب العالمین کے حکم سے بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کردیتی ہے اور عذاب وہلاکت کے واقع ہونے سے روکتی ہے، یہ مومن کا ہتھیار ہے، اللہ سے مطلوب چیز کے حصول میں دعا سے زیادہ کوئی چیز نفع بخش نہیں ہے، نعمتوں کے حصول اور مصیبتوں کے دور کرنے میں اس طرح کوئی چیز مدد کرنے والی نہیں ہے، اسی کے ذریعہ غم ورنج ختم ہوتا ہے اور اس کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالی دعا کی حالت میں اپنے بندے سے قریب ہوتا ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿وإذا سألك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون﴾ (۱) (جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں، اس لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں، اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے) لوگوں میں سے سب سے زیادہ عاجز وہ انسان ہے جو دعا سے عاجز ہو۔

دعا کے ذریعہ نفس کو بلندی حاصل ہوتی ہے، ارادے پروان چڑھتے ہیں اور

---

(۱) البقرة: (۱۸۶)

دوسروں کے پاس موجود چیزوں سے لالچ ختم ہو جاتی ہے، وہ رات کا تیر ہے جو رات میں عبادت کرنے والے چھوڑتے ہیں، وہ ایسی رسی ہے جو آسمان اور زمین کے مابین پھیلی ہوئی ہے، کسی بھی چیز کو طلب کرنے اور حاصل کرنے میں اللہ کا سہارا لو، دعا میں صرف اسی سے فریادرسی کرو، اسی کی جانب پناہ حاصل کرو، اور اسی کے سامنے تواضع وانکساری ظاہر کرو۔

رزق خزانہ ہے جس کی کنجی سوال کرنا ہے، تم یقین رکھو کہ اللہ رب العالمین کا خزانہ بھرا ہوا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ رات و دن خرچ کرنے والے ہیں جسے خرچ کرنے کی وجہ سے اس کے خزانے میں کچھ کمی نہیں ہوتی ہے، پس تم اپنے رب کریم سے دعا کرو، اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دو، اور تمام معاملات کو اسی کے سپرد کر دو، پختہ ارادے کے ساتھ اس سے سوال کرو اور بہت زیادہ رغبت سے اس سے مانگو کیونکہ اس سے مانگنے والے کو لوٹایا نہیں جاتا اور نہ اس سے طلب کرنے والا خائب وخاسر ہوتا ہے، جس شخص کو فاقہ کی مصیبت لاحق ہوئی اور اس نے اپنی فاقہ کشی کو مخلوق کے سامنے پیش کر دیا تو اس کی فاقہ کشی ختم نہیں ہوگی لیکن اگر اس نے اپنے رب تعالی کے سامنے ظاہر کیا تو وہ کتنا اچھا رزق کا انتظام کرنے والا ہے، جو شخص اپنے رب کریم کے بارے میں حسن ظن رکھے گا تو اللہ رب العالمین اس کے لیے اپنی بھلائی کی راہ کھول دے گا (انعام واکرام کی بارش کرے گا) اور اپنے بہترین فضل کو اس کے لیے جاری کر دے گا، پس دعا کو لازم پکڑو، کیونکہ دینے والا بڑا سخی ہے، اور تکلیف دور کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے، تو تم جب بھی دعا کرو تو اس کے قبول ہونے کے سلسلے میں جلدی نہ کرو اور جب دعا کے قبول ہونے میں تاخیر ہو تو تم مایوس ہو کر پیچھے نہ ہٹو، جو شخص زیادہ دروازے پر دستک دیتا ہے تو اس کے لیے دروازہ کھول دیئے جانے کی امید ہوتی ہے، اور جو شخص بے قراری کی حالت میں اللہ سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی اس آیت کریمہ میں فرماتا ہے: ﴿أمن

يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء الأرض أ إله مع الله قليلا ما تذكرون﴾ (۱)(بےکس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے،کون قبول کر کےسختی کو دور کر دیتا ہے؟اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے،کیا اللہ کے ساتھ اور معبود ہے؟تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو)

یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیئے گئے تو دعا ہی کے ذریعہ انھیں بغیر کسی تکلیف کے چٹیل میدان میں پھینک دیا گیا۔

جب لوگ نرم ونازک بستر پر داد عیش لے رہے ہوں تو آپ اٹھ کر سہانے وقت میں مولی کے سامنے گریہ وزاری کا دست دراز کیجئے،کتنی دعا کے ذریعے حالات تبدیل ہوگئے، بانجھ با اولاد ہوگئے، بیمار شفایاب ہوگئے،فقیر کو روزی مل گئی، بدبخت نیک ہوگئے،ایک ہی دعا سے روئے زمین کے تمام لوگوں کو غرق کر دیا گیا،سوائے ان کے جن کو اللہ نے بچا لیا، اورفرعون بھی موسی کی دعا ہی کی وجہ سے ہلاک ہوا، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وقال موسى ربنا إنك آتيت فرعون وملأه زينة وأموالا في الحياة الدنيا ربنا ليضلوا عن سبيلك ربنا اطمس على أموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الأليم﴾ (۲)(اورموسی علیہ السلام نے عرض کیا اے ہمارے رب! تو نے تو فرعون کواور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیاوی زندگی میں دیئے،اے ہمارے رب!(اسی واسطے دیئے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں،اے ہمارے رب!ان کے مالوں کو نیست ونابود کردے اوران کے دلوں کو سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں)

---

(۱)النمل:(۶۲)　　(۲)یونس:(۸۸)

صدقہ:

اللہ رب العالمین نے اپنی مخلوق کو مالدار اور غریب کے درمیان بانٹ دیا ہے، ان کی مصلحتیں پوری نہیں ہوتی ہیں مگر غریبوں کی ہم نشینی کے ذریعہ، اسی لیے اللہ رب العالمین نے مالداروں کے مالوں کے زائد حصے میں صدقہ واجب قرار دیا ہے کہ جس سے غریبوں کی حاجت پوری ہو۔

سخی مومن اللہ سے اور اس کی مخلوق اور اس کے اہل وعیال سے قریب ہوتا ہے، اسی طرح جنت سے قریب اور جہنم سے دور ہوتا ہے، بخیل آدمی اللہ کی مخلوق سے دور ہوتا ہے، اسی طرح جنت سے دور اور جہنم سے قریب ہوتا ہے، تو آدمی کی سخاوت اس کے مخالفین کے یہاں اس کو محبوب بنا دیتی ہے اور اس کی بخیلی خود اس کی اولاد کے یہاں اسے مبغوض کر دیتی ہے، اور اللہ تعالی کی نظر میں سب سے محبوب مخلوق وہ ہے جو اس کی ان صفات کے تقاضوں سے متصف ہو جو اللہ کے لیے خاص نہیں ہے، پس اللہ تعالی کریم ہے، اسی وجہ سے وہ اپنے بندوں سے بھی کرم وسخاوت کو پسند کرتا ہے، وہ عالم ہے علماء سے محبت کرتا ہے، رحیم ہے رحم کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صدقہ کرنے والے سخی آدمی کو کرم وسخا والا رب اس کے عمل کی جنس سے بطور بدلہ وہ کچھ عطا کرتا ہے جو اسے اس کے علاوہ کوئی نہیں عطا کر سکتا ہے''۔(۱)

مسلمانوں کے بہترین اعمال میں سے فقیروں، ضرورت مندوں اور مصیبت زدہ لوگوں پر صدقہ کرنا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے پاس اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ اعمال ایک دوسرے کے اوپر فخر کرتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے میں تم میں سب سے افضل ہوں'' نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا کہ آپ احسان، صدقہ

(۱) الوابل الصیب: (ص:۵٦)

وخیرات اور مسلمانوں کے غموں کو دور کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

سب سے افضل صدقہ وہ ہے جس سے صدقہ لینے والے کی ضرورت پوری ہو، اور یہ صدقہ برابر قائم رہے، صدقہ بندے کو اللہ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے، کیونکہ اس کے گناہ اور خطائیں اس کی ہلاکت کا تقاضا کرتی ہیں، لیکن صدقہ آ کر اس کے عذاب کا فدیہ بن جاتا ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے جب عید کے دن عورتوں کو خطبہ دیا تو فرمایا: "يا معشر النساء تصدقن ولو من حليكن فإني رأيتكن أكثر أهل النار" (۱) اے عورتوں کی جماعت! تم لوگ صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیور ہی سے کیوں نہ ہوں، کیونکہ میں نے تم لوگوں کو بہت زیادہ جہنم میں دیکھا ہے، صحیحین میں ہے: "فاتقوا النار ولو بشق تمرة" (۲) تم آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے صدقہ کے ذریعہ ہی۔

صدقہ معصیت کی نحوست کو ختم کرتا ہے، نبی کریم ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: "ألا أدلك على أبواب الخير؟ الصوم جنة والصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفى الماء النار" (۳) کیا میں تمہیں بھلائی کے دروازوں کی رہنمائی نہ کردوں؟ (سنو) روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کو ایسے ہی ختم کر دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتی ہے۔

صدقہ بری موت سے بچاتا ہے، مصیبت دور کرتا ہے، مال کی حفاظت کرتا ہے، رزق کو کھینچ کر لاتا ہے، دل کو باغ باغ کر دیتا ہے، اللہ پر بھروسہ اور اس پر حسن ظن کو واجب کر دیتا ہے، اسی طرح صدقہ نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور اسے پروان چڑھاتا ہے، وہ بندے کو اپنے رب کا محبوب ترین بندہ بنا دیتا ہے اور تمام عیوب کو دوسروں کے اوپر پوشیدہ کر دیتا ہے، صدقہ عمر میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے، وہ صاحب صدقہ کو عذاب قبر

(۱) بخاری ومسلم (۲) بخاری، مسلم (۳) الترمذی

سے نجات دلاتا ہے اور قیامت کے دن اس کے اوپر سایہ کرے گا، نیز اللہ کے یہاں اس کی شفاعت کرے گا، صدقہ صاحب صدقہ پر دنیا وآخرت کی سختیوں کو آسان کر دیتا ہے اور اسے تمام نیکیوں کی جانب بلاتا ہے، پس تم اس پر معصیت کے طلبگار نہ بنو۔

صدقہ بندہ اور جہنم کے درمیان رکاوٹ ہے، قیامت کے دن چھپا کر اخلاص کے ساتھ صدقہ کرنے والا اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا اور اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ومن كان أهل الصدقة دعي من باب الصدقة" (۱) جو صدقہ کرنے والوں میں ہوگا اسے باب الصدقہ سے بلایا جائے گا۔

صدقہ مصیبت کو دور کرتا ہے، اس کی وجہ سے اللہ کے حکم سے غم ختم ہوتا ہے، ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا: ''مصیبت کو دور کرنے، بلاؤں کو ختم کرنے اور حسد کرنے والے کی برائی کے سلسلے میں صدقہ اور احسان کی عجب تاثیر ہے، اگر اس میں صرف امتوں کے نئے اور پرانے تجربات ہی پر نظر ڈالی جائے تو یہ کافی ہوں، مصیبت، حسد، تکلیف احسان کے ساتھ صدقہ کرنے والے کو لاحق نہیں ہوتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی چیز لاحق ہو جائے تو وہ اس میں مہربانی، مدد اور تائید کا معاملہ کرتا ہے اور اسی میں اس کا اچھا انجام ہے۔ پس احسان کے ساتھ صدقہ کرنے والا اپنے احسان اور صدقہ کی بنا پر حفاظت میں ہوتا ہے اور اس کے اوپر اللہ رب العالمین کی جانب سے ایک ڈھال اور مضبوط قلعہ ہوتا ہے''۔(۲)

ایک دوسری جگہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام قسم کی مصیبتوں کو دور کرنے کے سلسلے میں صدقہ وخیرات کی ایک عجب تاثیر ہے خواہ صدقہ کرنے والا فاجر یا ظالم کیوں نہ ہو، بلکہ اگر وہ کافر ہو تب بھی موثر ہوتا ہے کیونکہ اللہ رب العالمین

(۱) بخاری ومسلم (۲) بدائع الفرائد: (۲/۴۶۷)

صدقات کے ذریعہ صدقہ کرنے والے کی تمام مصیبتوں کو دور کر دیتا ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جسے عام وخاص تمام لوگ جانتے ہیں، اور تمام روئے زمین والے اس کا اقرار کرتے ہیں، اس لیے کہ ان لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے''۔(۱)

صدقہ کرنے والا جب بھی صدقہ کرتا ہے تو اس صدقے کی وجہ سے اسے انشراح قلب حاصل ہوتا ہے، اور اس کا دل کشادہ ہو جاتا ہے، ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر صدقہ کرنے میں سوائے اس فائدہ کے اور کوئی فائدہ نہ بھی ہو تو بندے کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ صدقہ کرے اور اس کی طرف سبقت کرے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون﴾ (۲)(جو اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا وہی کامیاب ہے) بخیل آدمی احسان کرنے سے بے تعلقی اختیار کرتا ہے، نیکی سے باز رہتا ہے، انشراح صدر سے محروم رہتا ہے، تنگ نظری، چھوٹے دل، کم خوشی، بہت زیادہ غم اور حزن وملال والا ہوتا ہے، اس کی حاجت پوری نہیں ہو پاتی ہے اور نہ کسی مطلوب چیز پر اس کی مدد کی جاتی ہے''۔(۳)

پس تم روزانہ صدقہ کرو اگرچہ تھوڑا ہی ہو، سب سے افضل صدقہ فقیر کی مدد کرنا ہے، ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے: ''اے اللہ تو خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما'' اور دوسرا کہتا ہے ''اے اللہ! تو روکنے والے کے حصے ہلاک کر دے''۔

صدقہ ایسا قرض ہے جو دوگنا بڑھا کر لوٹایا جائے گا، نبی ﷺ! نے فرمایا: "ما نقصت صدقة من مال" (۴) کہ صدقہ کسی مال کو گھٹاتا نہیں ہے، اور اللہ عزوجل نے بھی فرمایا: ﴿من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فيضاعفه له

(۱)الوابل الصیب: (۴۹) (۲)الحشر: (۹)
(۳)الوابل الصیب: (ص:۵۱) (۴)مسلم

أضعافا كثيرة والله يقبض ويبصط وإليه ترجعون﴾(۱) (ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ رب العالمین کو اچھا قرض دے، پس اللہ تعالی اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا کرے، اللہ ہی تنگی اور کشادی کرتا ہے اور تم سب اسی کی جانب لوٹائے جاؤگے)۔

تو تم دل کی خوشی کے ساتھ اور سخاوت کرنے والے ہاتھ سے فقیروں پر خرچ کرو اور اللہ رب العالمین سے اس سلسلے میں ثواب اور مال کے دوگنے اضافے کا بہترین گمان کرو۔

کسی فقیر پر اس لیے صدقہ نہ کرو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے:

بندہ صدقہ کی وجہ سے اونچے درجہ کو پہنچتا ہے، بشرطیکہ اس نے خالص اللہ کے لیے صدقہ کیا ہو، اور اس کے ذریعہ مصیبت زدہ کی دعا حاصل کرنے یا تعریف، شہرت طلبی یا دنیا کی زیب وزینت کو حاصل کرنے کی امید نہ لگائی ہو، تو جب تم کسی فقیر پر صدقہ وخیرات کرو تو اس لیے صدقہ وخیرات نہ کرو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے بلکہ تم اس پر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کرو، تاکہ تم اللہ تعالی کے اس فرمان میں داخل ہوجاؤ: ﴿ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤوف بالعباد﴾ (۱) (اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالی اپنے بندوں پر بڑی مہربانی کرنے والا ہے) شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اللہ تعالی کے اس قول کے متعلق فرمایا: ﴿ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيراء إنما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاء ولا شكورا﴾ (۲) (اور وہ لوگ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو، ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کے لیے

(۱) البقرۃ: (۲۴۵) (۲) البقرۃ: (۲۰۷) (۳) الانسان: (۸،۹)

کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری) کہتے ہیں: ''جو شخص فقراء سے دعا اور تعریف کا طلبگار ہو تو وہ اس آیت کریمہ کے مفہوم سے خارج ہو گیا''۔(۱) کیونکہ سنن ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے: "من أسدى إليكم معروفا فكافئوه فإن لم تجدوا ما تكافئوه فادعوا له حتى تعلموا أنكم قد كافئتموه" (۲) ''جو تمہارے ساتھ احسان کرے تو اس کا بدلہ دو اگر بدلہ دینے کی کوئی چیز نہ پاؤ تو اس کے حق میں دعا کرو، یہاں تک کہ تم سمجھ لو کہ (اس کے احسان) کا بدلہ دے دیا ہے''۔اسی وجہ سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جب کسی قوم کے پاس تحفہ تحائف بھیجتی تھیں تو نبی کریم ﷺ سے کہتیں: "اسمع ما دعوا به لنا حتى ندعو لهم بمثل ما دعوا ويبقى أجرنا على الله" یہ لوگ ہمارے لیے جو دعا کریں اسے سنو تاکہ ہم ان کے لیے ویسے ہی دعا کریں جیسی انھوں نے دعا کی، اور اللہ کے یہاں ہمارا ثواب باقی رہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ جب تم کسی مسکین کو (صدقہ) دو تو اگر وہ کہے بارك الله عليك تو تم اس کے جواب میں کہو بارك الله عليك کیونکہ اس نے چاہا کہ تمہیں دعا کے ذریعہ بدلہ دے تو تم بھی اس کو اسی جیسی دعا دو یہاں تک کہ تم ایسے ہو جاؤ گے کہ گویا تم نے اس سے کچھ حاصل ہی نہیں کیا۔

ایک جگہ فرمایا کہ جس شخص نے بندے سے عوض کے طور پر تعریف، دعا یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز طلب کی تو وہ ان لوگوں پر اللہ کے لیے احسان کرنے والا نہیں ہے۔(۳)

لہذا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ دعا کے لیے صدقہ کرنے والا اللہ تعالی کے اس قول: ﴿إنما نطعمكم لوجه الله﴾ میں داخل نہیں ہوگا،

(۱)الفتاوی:(۱۱/۱۱) (۲)سنن أبوداود (۳)الفتاوی:(۱/۵۵)

کیونکہ مسلمان اللہ رب العالمین کی خوشنودی کے لیے صدقہ کرتا ہے، تو اس کی وجہ سے مصیبت ٹلتی ہے اور غم دور ہوتا ہے، جو اللہ کی خوشنودی کے لیے صدقہ کرنے کے فوائد میں سے ہے۔

کثرت عبادت:

علم کا ثمرہ عمل ہے، دنیوی زندگی کی لذت نیک اعمال کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے اور کثرت اطاعت اخلاص کی بھی نشانی ہے، اسی لیے جنت میں مقام کی بلندی نیک اعمال کے اعتبار سے ہوگی، اس سلسلہ میں ہمارے لیے انبیاء کرام میں اسوہ ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کی تعریف ان کی کثرت عبادت کی وجہ سے کی ہے، فرمایا: ﴿إن إبراهيم كان أمة قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين﴾ (۱) (بے شک ابراہیم علیہ السلام پیشوا اور اللہ تعالی کے فرماں بردار اور یک طرفہ مخلص تھے، وہ مشرکوں میں سے نہ تھے) اللہ رب العالمین نے ان کی صفت ''قنوت'' ذکر کی ہے اور قنوت ہمیشگی والی اطاعت کو کہتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات قیام کرتے پھر باقی حصہ سوتے تھے۔ اور اللہ رب العالمین نے زکریا علیہ السلام، ان کی بیوی اور یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فاستجبنا له يحيى وأصلحنا له زوجه إنهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خاشعين﴾ (۲) (ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے یحییٰ عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست کر دیا، یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ، طمع اور ڈر وخوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے

---
(۱) النحل: (۱۲۰)　　(۲) الأنبياء: (۹۰)

والے تھے) نیز امت کے اسلاف بھی اللہ کی بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’میں ایک مرتبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فجر کی نماز پڑھی پھر بیٹھے بیٹھے آدھے دن کے قریب اللہ کا ذکر کرتے رہے پھر وہ متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ میرا ناشتہ ہے، اگر میں یہ ناشتہ نہ کرتا تو میری قوت ساقط ہوجاتی‘‘۔(۱)

شیخ الاسلام اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے یا کسی چیز میں مجھے شک ہوتا ہے یا کوئی ایسی حالت جو میرے اوپر مشکل ہوجاتی ہے تو میں اس وقت اللہ سے سو مرتبہ یا اس سے زیادہ یا اس سے کم استغفار کرتا ہوں، یہاں تک کہ میرے سینے میں انشراح ہوجاتا ہے اور جو بھی اشکال ہوتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب میں بازار یا مسجد یا راستے یا مدرسہ میں ہوتا ہوں تب بھی وہ چیز مجھے ذکر واستغفار سے نہیں روکتی ہے، یہاں تک کہ میں اپنے مطلوب کو حاصل کرلیتا ہوں‘‘۔(۲)

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن قیم کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں اپنے زمانے کے اہل علم میں ان سے زیادہ عبادت گزار کسی کو نہیں جانتا ہوں۔ نماز میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ لمبا قیام کرتے، رکوع اور سجود کو لمبا کرتے حتی کہ ان کے بعض ساتھی بعض دفعہ برا بھلا کہتے، لیکن پھر بھی وہ نہ لوٹتے اور نہ ہی ان سے اس بارے میں جھگڑا کرتے۔(۳)

اطاعت نور ہے جو سینے پر اثر انداز ہوتا ہے تو اللہ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرو اور اسی کے لیے خضوع اختیار کرو، یہ مطلوب کی جستجو میں بہت بہترین مددگار ہے، تو

---

(۱) الوابل الصیب: (ص:۹۳)

(۲) العقود الدریۃ لابن عبد الھادی: (ص:۷)

(۳) البدایۃ والنہایۃ: (۵۲۳/۱۸)

اللہ کے ذکر، اس کی کتاب کی تلاوت اور رات کی تاریکیوں میں اس کے لیے قیام کو اپنے اوپر لازم پکڑو کیونکہ جب دل صاف وشفاف ہوتا ہے تو بااثر ہوتا ہے اور جب وہ گندہ ہوجاتا ہے تو نقصان پہنچاتا ہے۔

جن عبادات کو بکثرت کیا جائے:

فرائض کے بعد سب سے افضل اعمال نوافل کو ادا کرنا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "إن الله تعالى قال: من عاد لي وليا فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلي عبدي بشيء أحب إلي مما افترضته عليه، وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها، ولئن سألني لأعطينه، ولأن استعاذني لأعيذنه". (۱) اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے، بندہ جن چیزوں کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ اعمال ہیں جن کو میں نے اس پر فرض کیا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر کسی چیز سے پناہ طلب کرے تو میں ضرور اس کو اس سے پناہ دیتا ہوں۔

---

(۱) صحیح البخاری

سب سے افضل نوافل جن کو بندہ انجام دیتا ہے:

۱- قیام اللیل:

نفلی نمازیں اللہ کے نزدیک سب سے پاکیزہ اعمال میں سے ہیں، اور رات اپنی تاریکیوں کے ساتھ بہت قیمتی ہے جس میں قیام کرنا اللہ کے ان نیک بندوں کی صفات میں سے ہے جن کو جنت النعیم کی بشارت دی گئی ہے، یہ عقل وایمان کے مضبوطی کی دلیل اور رب العالمین کے تقرب کا ذریعہ ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "يا أيها الناس أفشوا السلام، وأطعموا الطعام وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام". (۱)

''اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتہ داریوں کو ملاؤ، اور اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے''۔

تاریکیوں میں اللہ کے لیے قیام کرنا اہل ایمان کے محاسن میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿كانوا قليلا ما يهجعون﴾ (۲) (وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے) رات کے پچھلے پہر کے اوقات صاف ستھرے ہوتے ہیں اسی لیے اس کی تاریکی میں قیام کرنے کے لیے نیک لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابوسلیمان دارانی نے فرمایا: ''اگر قیام اللیل نہ ہوتا تو میں دنیا کو پسند نہ کرتا''۔

نبی کریم ﷺ قیام اللیل کو سفر میں ہو یا حضر میں کبھی نہیں چھوڑا کرتے تھے، آپ اسے کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں طرح پڑھتے تھے اور سفر کی حالت میں اپنی سواری پر ہی پڑھ لیتے تھے اگر چہ سواری غیر قبلہ کی جانب ہوتی، اور سلف صالحین قیام اللیل ترک کرنے والے کو پسند نہیں کرتے ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کسی شخص نے قیام نہیں چھوڑا مگر اس گناہ کی وجہ سے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے'' اور یہی بات اس

---

(۱) الترمذی وقال: حسن صحیح (۲) الذاریات: (۱۷)

وصیت سے بھی ماخوذ ہوتی ہے جو نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو کی تھی: "نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل فكان ابن عمر لا ينام من الليل إلا قليلا". (۱) کہ عبداللہ کتنا اچھا آدمی ہے، اگر یہ رات کو نماز پڑھتا (اس کے بعد) عبداللہ بن عمر رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "يا عبدالله! لا تكن مثل فلان، كان يقوم الليل فترك قيام الليل" (۲) اے عبداللہ تو فلاں شخص کی طرح نہ ہونا، وہ رات کو قیام کرتا تھا پھر اس نے رات میں قیام کرنا چھوڑ دیا۔

بندگی کا یہ بلند مقام ہے کہ رات کو عبادت کی جائے اور نفس بزرگی نہیں پا سکتا یہاں تک کہ وہ اللہ کا کامل غلام بن جائے۔ ایک تندرست نوجوان کے لیے قیام اللیل کا چھوڑنا نالائق اور مناسب نہیں ہے اگر چہ فجر سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی پڑھے جس میں وہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کے وقت میں اپنے رب سے سرگوشی کرے۔ سلف قیام سحر کو کبھی نہیں چھوڑتے۔

طاؤس کہتے ہیں: "كنت أظن أن لا يدع أحد قيام السحر" میں گمان کرتا ہوں کہ فجر کے وقت کا قیام کوئی شخص ترک نہیں کرتا ہے۔

۲۔ بکثرت اللہ کا ذکر کرنا:

اللہ رب العالمین کا ذکر بلندی اور عزت کا میزان ہے اور یہ وہ بہترین چیز ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی زبان کو معطر رکھتا ہے، یہ بندہ اور اس کے رب کے درمیان ایک کھلا ہوا دروازہ ہے جب تک کہ بندہ اپنی غفلت سے اسے بند نہ کردے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿فاذكروني أذكركم واشكروا لي﴾ (۳) (تم

(۱) بخاری ومسلم (۲) بخاری ومسلم (۳) البقرة: (۱۵۲)

میرا ذکر کرو تو میں بھی تمہیں یاد کروں گا اور میری شکر گزاری کرو) اگر اللہ کے ذکر سے صرف یہی چیز حاصل ہو تب بھی وہ اس کے فضل و شرف کے لیے کافی ہے۔ کثرت ذکر سے بندے کو اس کے رب کے نزدیک بلندی حاصل ہوتی ہے اور ہمارے نبی ﷺ ہمیشہ اپنے پروردگار کا ذکر کیا کرتے تھے، ذکر و اذکار کی وجہ سے دل کو سعادت اور اللہ کے ساتھ انسیت حاصل ہوتی ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''مجھ سے ایک مرتبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں ذکر نہیں چھوڑتا ہوں مگر اپنے آپ کو آرام پہنچانے کے لیے تاکہ میں اس راحت کے ذریعہ دوسرے ذکر کے لیے تیار ہو جاؤں''۔(۱)

۳- قرآن مجید کی تلاوت:

کتاب عزیز (قرآن مجید) ملت کا ستون ہے، یہ حکمت کا سرچشمہ، رسالت کی نشانی اور بصارت و بصیرت کا نور ہے، اس کتاب کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے سے مقام و مرتبہ بلند ہوتا ہے اور ایمان کے اندر زیادتی ہوتی ہے، قرآن کریم ہی علوم کی اصل اور اس کی بنیاد ہے، اسی سے اخلاق و آداب اخذ کیے جاتے ہیں، اللہ کی کتاب کا حفظ اللہ کے حکم سے بندے کے لیے شرور و فتن سے حفاظت کا باعث ہے اور شبہات و شہوات سے پاکدامنی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا قرآن کریم پر دل سے تدبر کرتے ہوئے اس کی تلاوت کو اپنی زبان پر جاری رکھو۔

۴- ہر مہینہ کے تین دنوں کا روزہ:

ہمارا رب جل وعلا شکر کے لائق ہے کہ تھوڑے سے عمل کے ثواب کو وہ دوگنا کر دیتا ہے، امت محمد یہ امت مرحومہ ہے کہ چھوٹی سی عمر میں تھوڑا سا عمل کر کے اسے بہت زیادہ ثواب حاصل ہو جاتا ہے اور یہ امت آخرت میں تمام امتوں پر سبقت لے

(۱) الوابل الصیب: (ص:۹۳)

جائے گی، اسی وجہ سے ہر ماہ کے تین روزے پورے مہینے کے روزے کے مانند ہوگئے، یعنی دس دن میں ہر دن اللہ کے کرم واحسان سے روزے کا دن ہے، ہر مہینے میں تین دن روزے کی وصیت نبی کریم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "أوصاني خليلي صيام ثلاثة أيام من كل شهر وركعتي الضحى وأن أوتر قبل أن أنام". (۱) مجھے میرے خلیل نے ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے، چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے، اور سونے سے پہلے نماز وتر ادا کرنے کی وصیت فرمائی۔

اعلی اخلاق وکردار:

بہترین اخلاق دلوں کو مائل کرتا ہے، بہترین گفتگو اور عمدہ اخلاق کے ذریعہ مخلوق کو اپنی طرف کھینچا جا سکتا ہے، نبی کریم ﷺ اپنے اخلاق اور معاملات میں ایک بہترین داعی تھے، ایک مرتبہ ایک یہودی غلام جو نبی کریم کا خادم تھا بیمار ہوگیا تو آپ ﷺ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر اس سے کہا (اے بیٹے) اسلام لے آؤ، تو اس لڑکے نے اپنے باپ کی جانب دیکھا جو اس کے پاس بیٹھا تھا اس نے اپنے بیٹے سے کہا: ابوالقاسم کی اطاعت کر، چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا تو نبی کریم ﷺ وہاں سے نکلے اور کہا: "الحمد لله الذي أنقذه من النار" (۲) تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے جس نے اس (بچے) کو آگ سے بچالیا۔

حسن اخلاق نہ تو مال خرچ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور نہ نفس کو مشقت میں ڈالنے کا، بلکہ حسن خلق تو خوشی کے ساتھ ملنے، دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے اور تکلیف کو دور کرنے کا نام ہے۔

---

(۱) بخاری ومسلم (۲) بخاری

عمدہ آداب واطوار، بہترین اخلاق اوراچھے چال چلن سے آراستہ وپیراستہ ہونا صاحب اخلاق اور با مروت لوگوں کی پہچان ہے اورسب سے بہترین آدمی وہ ہے جس کا اخلاق بلند ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ان من خیارکم أحسنکم أخلاقا" (۱) کہ تم میں سب سے بہترین وہ ہے جوتم میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہے۔ ہمارا دین ہمیں بہترین اخلاق کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع فرماتا ہے، آدمی بلند مقام دین، اخلاق اور آداب سے حاصل کرتا ہے، نیز نفس کو مہذب بنانے سے دلوں کو آباد رکھنے میں مدد ملتی ہے اور محاسن امور کی رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔

کیا حسن خلق عبادت ہے؟

حسن اخلاق عظیم تر عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے جس سے اکثر لوگ غفلت میں ہیں، ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا: بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقوی یہی ہے کہ بندوں کے حقوق کو چھوڑ کر اللہ کے حقوق کو ادا کردیا جائے''۔(۲) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "سئل رسول الله ﷺ عن أكثر ما يدخل الناس الجنة؟ قال: تقوى الله وحسن الخلق، وسئل عن أكثر ما يدخل الناس النار؟ فقال: الفم والفرج. (۳) رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل انسانوں کو سب سے زیادہ جنت میں داخل ہونے کا سبب بنے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق''، اور پوچھا گیا کہ کون سا عمل انسانوں کے لیے سب سے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب بنے گا؟ آپ نے فرمایا: ''منہ اور شرمگاہ''۔

آدمی اپنے ایمان کو حسن اخلاق کے ذریعہ مکمل کرسکتا ہے، نبی کریم ﷺ

---

(۱) متفق علیہ (۲) جامع العلوم والحکم: (۱/۴۵۴)
(۳) الترمذی وقال حسن صحیح

فرماتے ہیں: "أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وخياركم خياركم لنسائهم" (۱) کہ سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو تم میں اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہترین ہیں۔

ایمان کے ساتھ بہترین اخلاق والا جنت کے اعلی مقام میں ہوگا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "أنا زعيم (أي ضامن) ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء وإن كان محقا، وببيت في وسط الجنة لمن ترك الكذب وإن كان مازحا، وببيت في أعلى الجنة لمن حسن خلقه. (۲) کہ میں اس شخص کے لیے جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا، اور اس شخص کے لیے بھی جنت کے درمیان ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے مذاق کے طور پر جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا، اور اس شخص کے لیے جنت کے بلندترین حصے میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو۔ حسن خلق تمام بھلائیوں کا مجموعہ ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "البر حسن الخلق" (۳) نیکی اچھا اخلاق ہے۔

انس بن مالک نبی کریم ﷺ کے اخلاق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقا" (۴) نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے حامل تھے۔ آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے ہمیشہ خوشی، سرور اور نیک شگون ہی ظاہر ہوتا تھا، آپ کبھی منہ نہیں بگاڑتے تھے اور نہ ہی نفرت کرنے والے تھے، جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ: "ما رآني رسول الله

(۱) الترمذی (۲) أبوداود
(۳) مسلم (۴) بخاری ومسلم

ﷺ إلا تبسم" (۱) جب بھی رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے تھے۔ اور اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کی صفت اپنے اس قول سے بیان فرمائی ہے: ﴿وإنك لعلى خلق عظيم﴾ (۲) (اے نبی) بے شک تو بہت بڑے اخلاق پر فائز ہے)

ایمان کے ساتھ اچھے اخلاق والے لوگ آخرت میں نبی کریم ﷺ سے زیادہ قریب ہوں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ان من أحبكم إلي و أقربكم مني مجلسا يوم القيامة أحاسنكم أخلاقا" (۳) قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور ہم نشینی کے اعتبار سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو تم میں اخلاق میں سب سے اچھا ہوگا۔

بعض لوگ مخلوق کے حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کمال بندگی یہی ہے کہ مخلوقین کو چھوڑ کر بندے اور اس کے خالق کے درمیان اچھے تعلق ہو جائیں، ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''زیادہ تر لوگ تو اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی محبت کو لازم پکڑے رہتے ہیں، اس سے ڈرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن حقوق العباد میں کلی طور پر سستی کرتے ہیں یا اس میں کمی کے شکار ہو جاتے ہیں جبکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ایک ساتھ ادا کرنا بہت اہم ہے جس کو مکمل طور پر ادا کرنے کی طاقت انبیاء وصدیقین ہی کو ہوتی ہے''۔ (۴) کیونکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کی توفیق ہر بندہ کو نہیں ملتی ہے۔ محاسبی نے کہا: ''تین چیزیں بہت پیاری ہوتی ہیں: حفاظت کے ساتھ چہرہ کا حسن، دینداری کے ساتھ حسن اخلاق اور امانت داری کے ساتھ بھائی چارگی کا حسن''۔

---

(۱) صحیح البخاری (۲) ن: (۴)
(۳) الترمذی (۴) جامع العلوم والحکم: (۱/۴۵۴)

لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنا:

اللہ کی نعمتوں کے حصول اور اس کے عقاب سے بچاؤ نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے، اس کا تقرب حاصل نہ کیا جائے اور اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی نہ کی جائے، کیونکہ دین حنیف علم وعمل دونوں کی تعلیم لے کر آیا ہے، اس لیے جہاں ایک طرف خلوص کے ساتھ عبادت کا حکم ہے تو دوسری طرف معاملات میں بھلائی کا حکم ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: ''جس نے اللہ کی عبادت کی اور لوگوں کے ساتھ بہترین سلوک کیا تو اس نے اللہ کے حقوق کو ادا کیا کیونکہ اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی اس کے لیے دین کو خالص کرنے میں ہے''۔(١)

لوگوں کی خدمت وقت اور عمل میں برکت کا باعث ہے اور مشکلات کے وقت آسانی کا سبب ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من يسر على معسر في الدنيا يسر الله عليه في الدنيا والآخرة"(٢) جس شخص نے دنیا میں کسی تنگ دست پر آسانی کی تو اللہ رب العالمین دنیا و آخرت میں اس کے اوپر آسانی فرمائے گا۔

شریعت نے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے، ان کی ضرورت کو پورا کرنے اور ان کے غموں کو ہلکا کرنے کی کوشش کرنے کی ترغیب دی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "من نفس عن مسلم كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة" (٢) جس شخص نے کسی مسلمان سے دنیا کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی تو اللہ تعالی اس کی قیامت کے دن کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور فرمائے گا۔

اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے سے خاتمہ (موت) اچھا ہوتا ہے اور برے خاتمہ سے نجات ملتی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "صنائع المعروف

(١) الفتاوی: (١/٥٣) (٢) مسلم، ترمذی (٣) مسلم، ترمذی

تقى مصارع السوء والآفات والمهلكات، وأهل المعروف في الدنيا هم أهل المعروف في الآخرة" (۱) بھلائی کے کام برے انجام، آفتوں اور مہلکات سے بچاتے ہیں، دنیا میں بھلائی والے آخرت میں بھلائی والے ہیں۔

لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا خرچ کیا ہوا صدقہ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "من مشى بحق أخيه ليقضيه فله بكل خطوة صدقة" (۲) جو شخص اپنے بھائی کے حق کے لیے چلا تاکہ اس کی ضرورت کو پورا کرے تو اس کے لیے ہر قدم کے بدلے صدقہ کرنے کا اجر ہے۔

لوگوں کی خدمت کرنا خیر کی کنجی ہے اور اسے ترک کرنا برائی کا دروازہ کھولنا ہے، ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عقل، نقل، فطرت اور جنسوں، ملتوں اور ادیان کے اختلاف کے باوجود امتوں کے تجربات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رب العالمین کا تقرب حاصل کرنا، اس کی رضامندی کو طلب کرنا اور اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنا تمام خیر کو حاصل کرنے کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے اور اس کے برعکس راستے کو اختیار کرنا ہر طرح کے شر کو حاصل کرنے کے بڑے اسباب میں سے ہے''۔(۳) بھلائی ہمیشہ ہمیش کے لیے ذخیرہ ہے، لوگوں کے کاموں میں کوشش کرنا اہل مروت کی زکاۃ ہے، نیکی کے کاموں میں سستی کرنا بہت بری ہم نشینی ہے، بیگاری اور بے جا راحت طلبی کی محبت سے ایسی ندامت حاصل ہوتی ہے جو ہر فائدہ مند چیز سے بڑی ہے، صاحب عزم وہمت لوگوں کے نزدیک یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے کہ لوگ اپنی ضروریات میں دوسروں کا خیال نہ کریں، حکیم بن حزام کہتے ہیں: ''جب بھی میں صبح کرتا ہوں اور میرے دروازے پر کوئی حاجت مند نہیں ہوتا تو میں جان لیتا ہوں کہ یہ مصیبت ہے''۔ لوگوں کی خدمت کر کے ان کے دلوں کو اپنی جانب کھینچا

(۱) ابن حبان فی صحیحہ (۲) شعب الإیمان، مصنف ابن ابی شیبہ (۳) الجواب الکافی: (ص ۹)

جا سکتا ہے اور ان کو اپنی طرف مائل کیا جا سکتا ہے، شاعر کہتا ہے:

أحسن إلى الناس تستعبد قلوبهم
فطالما استعبد الانسان احســان

تو لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتو تم ان لوگوں کے دلوں کو غلام بنالو گے، زیادہ تر لوگ احسان کے ذریعہ ہی انسان کو غلام بنا لیتے ہیں۔

اللہ کے پیغامبر اور لوگوں کی خدمت:

لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور ان کی مصیبتوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا انبیاء ورسل کی صفات میں سے ہے، یہی لوگ اس میں سبقت کرنے والے ہیں، یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے برے سلوک کے باوجود ان کو قحط سالی کے زمانے میں کھانے کا سامان دیا، اور موسی علیہ السلام مدین کے گھاٹ (پانی) پر اترے تو وہاں دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت پانی پلا رہی ہے اور وہیں دو کمزور عورتوں کو الگ تھلگ پایا تو موسی علیہ السلام نے کنویں سے پتھر اٹھایا اور ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہوگئے۔ موسی علیہ السلام نے اپنے رب کے پاس اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبی بنانے کی سفارش کی تو یہ کہا: "واجعل لي وزيرا من أهلي" اور میرا وزیر میرے کنبے میں سے بنا۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا کہ بعض سلف نے کہا: "موسی علیہ السلام کا اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر احسان سے بڑا کسی شخص کا اپنے بھائی پر کوئی احسان نہیں ہے، کیونکہ انھوں نے ان کے متعلق سفارش کی، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے ان دونوں کو فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب نبی بنا دیا، اسی لیے اللہ تبارک وتعالی نے موسی علیہ السلام کے سلسلے میں فرمایا: ﴿وكان عند الله وجيها﴾ (۱) (اور وہ (موسی علیہ السلام) اللہ کے نزدیک باعزت تھے) اور خدیجہ

---

(۱) الاحزاب: (۶۹)

رضی اللہ عنہا ہمارے نبی کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: "انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق" آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ برداشت کرتے ہیں، تہی دست کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق کے واقعات (معاملات) میں مدد کرتے ہیں۔

ہمارے نبی محمد ﷺ سے جب کسی ضرورت کا سوال کیا جاتا تو آپ سائل کو اس کی حاجت پوری کیے بغیر نہیں لوٹاتے تھے، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ما سئل رسول الله ﷺ شيئا قط فقال: لا" (۱) ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے جواب میں "نہیں" کہا ہو۔ اور دنیا کے اندر بہت کم ایسے لوگ ہیں جو حاجت مند کو اس کی حاجت پوری کر کے لوٹاتے ہیں۔

اسی معتدل راہ کو صحابہ کرام اور صالحین نے اپنایا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے محتاجوں کو پانی پلانے کی قسم کھا رکھی تھی، ابووائل کا حال یہ تھا کہ وہ قبیلے کی بوڑھی عورتوں کے پاس چکر لگاتے، تاکہ وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کریں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مسلمانوں کی حاجتوں کو پوری کرنے کے سلسلے میں بہت کوشش کیا کرتے تھے۔

دوسروں کی تحقیر نہ کرو۔

بلندی کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کا مقرب بن جائے اور بندوں کے درمیان تمیز تقوی کے ذریعہ ہی ہوتی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير﴾ (۲) (اے لوگو! ہم نے سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو

---

(۱) بخاری ومسلم (۲) الحجرات: (۱۳)

پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں اللہ کے نزدیک تم میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے)

لباس اور شکل وصورت کو مزین کرلینا (بنا سنوار لینا) اللہ رب العالمین کے یہاں کچھ بھی کام نہیں دے گا کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم" (۱) اللہ رب العالمین تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

مال یا جاہ یا صورت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کی تحقیر کرنا عقل کی کمزوری، کمال ادراک میں نقص اور ایمان کی کمی کی نشانی ہے، پس دنیا اور اس کی زیب وزینت، مالداری، جاہ ومرتبہ اور آرائش مخلوق کے درمیان الٹتی پلٹتی رہتی ہے، کتنے فقیر ایسے ہیں جو مالدار ہوگئے، کتنے کم مرتبے ہیں جو شریف اور باعزت بن گئے۔ لہذا دوسروں کو حقیر سمجھنے والے کو نعمت، مالداری، جاہ ومنصب اور خوبصورتی کے زائل ہونے کا خوف لاحق رہنا چاہیے۔

مخلوق کے اندر تواضع وخاکساری کا ہونا، ایمان کے صحیح ہونے، عقل کے درست ہونے، دل کے اندر مہربانی ونرمی ہونے کی علامت ہے، ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بہت سارے لوگ جنہیں حسن وجمال، جاہ ومال، یا دنیا میں ریاست وحکومت حاصل ہوتی ہے لیکن ان کے دل تقوی سے خالی ہوتے ہیں، اور کتنے ہیں جنہیں یہ مذکورہ چیزیں نہیں ملتی ہیں لیکن ان کا دل تقوی سے بھرا ہوتا ہے، اس وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور باعزت ہوجاتے ہیں''۔ (۲) بلکہ اسی چیز کا وقوع اکثر ہوا ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ألا أخبركم

(۱) مسلم (۲) جامع العلوم والحکم: (۲۷۶۱)

بأهل الجنة، كل ضعيف متضعف لو أقسم على الله لأبره، ألا أخبركم بأهل النار، كل عتل جواظ مستكبر" (۱) کیا میں تمھیں جنتیوں کی خبر نہ دوں؟ پھر آپ نے خود ہی فرمایا: ہر کمزور جو کمزور سمجھا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اسے پوری کر دیتا ہے، کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر تند خو، سرکش اور متکبر شخص۔

تواضع اور خاکساری میں دنیا وآخرت دونوں جگہوں کی بلندی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله" (۲) جو شخص بھی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کو بلند کرتا ہے۔ شیخ المحدثین ابوموسی المدنی اپنی بلند مرتبت اور جلالت شان کے باوجود بچوں کو تختیوں پر قرآن لکھ کر پڑھاتے تھے، خاکسار وہ ہے کہ جب کسی شخص کو دیکھے تو کہہ دے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وہ شخص قدر ومنزلت کے اعتبار سے بلند ہے جس کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے، اور وہ شخص فضل ومرتبت میں سب سے بڑا ہے جس کے فضل کا اعتراف نہ کیا جائے''۔

نعمتوں پر شکر بجالانا:

تمہارے رب نے تمہارے اوپر اپنی عظیم نعمتوں کی بارش کی ہے اور تم کو اپنے قیمتی عطیات سے نوازا ہے تاکہ تم اس کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرو اور اپنی تخلیق اور حکم سے اللہ کا مقصد یہی شکر گزاری ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: "والله أخرجكم من بطون أمهاتكم لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والأبصار والأفئدة لعلكم تشكرون﴾ (۳) (اور اللہ تعالی نے تمھیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر گزاری کرو) اور اللہ سبحانہ وتعالی نے خبر دیا ہے کہ جو

(۱) بخاری ومسلم (۲) مسلم (۳) النحل:۷۸

شخص اس کا شکر ادا نہیں کرتا ہے تو وہ اس کی بندگی کرنے والا نہیں ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿واشکروا لله ان کنتم إیاه تعبدون﴾ (۱) (اللہ تعالی کا شکر ادا کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو) اللہ رب العالمین نے اپنے پہلے رسول کی تعریف کی جنھیں شکر کے ساتھ اس روئے زمین میں بھیجا تھا، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ذریة من حملنا مع نوح انه کان عبدا شکورا﴾ (۲)

(اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کردیا تھا، بیشک وہ ہمارا بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا) اور اللہ نے اپنے بندے موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو کچھ اللہ نے انھیں نبوت اور ہم کلامی جیسی نعمت سے مشرف کیا اس پر اس کا شکر ادا کریں، فرمایا: ﴿قال یا موسی إن اصطفیتك علی الناس برسالاتي وبکلامي فخذ ما آتیتك وکن من الشاکرین﴾ (۳) (ارشاد ہوا کہ اے موسی! میں نے پیغمبری اور اپنی ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر ادا کرو)

اور اللہ رب العالمین نے اپنی نعمت پر شکریہ ادا کرنے کی وجہ سے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی، ان کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿شاکرا لأنعمه اجتباه وهداه إلی صراط مستقیم﴾ (۴) (وہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انھیں اپنا برگزیدہ بنالیا تھا اور انھیں راہ راست سمجھا دی تھی)

اور اللہ رب العالمین نے اسی کا حکم داؤد علیہ السلام کو بھی دیا، فرمایا: ﴿اعملوا آل داود شکرا﴾ (۵) (اے آل داود! اس کے شکریہ میں نیک عمل کرو) یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو شکر ادا کرنے کا حکم دیا، اللہ نے آپ سے فرمایا: ﴿بل الله فاعبد وکن من الشاکرین﴾ (۶) (بلکہ آپ

---

(۱) البقرۃ: (۱۷۲)　(۲) الاسراء: (۲)　(۳) الاعراف: (۱۴۴)
(۴) النحل: (۱۲۱)　(۵) سبأ: (۱۳)　(۶) الزمر: (۶۶)

اللہ ہی کی عبادت کیجئے اور شکر کرنے والوں میں سے ہوجائیے)

انسان کو جوسب سے پہلی وصیت کی گئی وہ ہے اللہ کا اور والدین کا شکر یہ ادا کرنا، اللہ نے فرمایا: ﴿أن اشكر لي ولوالديك إلي المصير﴾ (۱) (تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر تم سب کو میری جانب ہی لوٹ کر کے آنا ہے) اسی طرح شکر گزاری کا حکم تمام انبیاء نے اپنی قوموں کو دیا، تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشكروا له إليه ترجعون﴾ (۲) (تمھیں چاہیے کہ تم اللہ کی روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے)

سب سے افضل دعا رب العالمین سے یہ دعا کرنا ہے کہ اس کو راضی کر دینے والی چیزوں پر مدد حاصل ہو اس طور پر کہ اس کی نعمت پر اور اس کی عبادت پر شکر ادا ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے سب سے نفع بخش دعا کے سلسلے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اس کی مرضی کے مطابق مدد کا سوال کرنا ہے، پھر میں یہ دعا سورہ فاتحہ میں "إياك نعبد وإياك نستعين" کے اندر دیکھی''۔(۳)

اور جب اللہ کے دشمن ابلیس نے شکر کے مقام ومرتبے کو جان لیا اور یہ بات بھی جان لی کہ یہ بہترین اور عظیم ترین عبادتوں میں سے ہے تو اس نے اپنی پوری قوت لوگوں کو اس سے پھیرنے میں لگا دی، اور اللہ کے سامنے یہ اعلان کیا: ﴿ثم لآتينهم من بين أيديهم ومن خلفهم وعن أيمانهم وعن شمائلهم ولا تجد أكثرهم شاكرين﴾ (۴) (پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی طرف سے بھی اور ان کے بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائیں گے) مخلوق میں شکر گزار بہت کم ہیں تو تم اس مبارک اور

(۱) لقمان: (۱۴) (۲) العنکبوت: (۱۷)
(۳) مدارج السالکین: (۱/۷۸) (۴) الاعراف: (۱۷)

قلیل جماعت کے ساتھ ہوجاؤ، اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿وقليل من عبادي الشكور﴾ (۱)(اور میرے بندوں میں سے شکرگزار بندے بہت کم ہی ہوتے ہیں)

ہر وہ نعمت جو اللہ سے قریب نہ کرے وہ مصیبت ہے، فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: ''تم نعمتوں پر شکریہ ادا کرنے کو لازم پکڑلو کیونکہ بہت کم ہی ایسی نعمت ہے جو کسی قوم سے ختم ہوکر دوبارہ لوٹ آئی ہو''۔

جب تم اپنے رب کو دیکھو کہ وہ مسلسل تمہارے اوپر نعمتوں کا نزول فرمارہا ہے اور تم اس کی نافرمانی کرتے جارہے ہو تو تم اس سے ڈرو، کیونکہ جب بندے کو اللہ کی جانب سے کوئی مقام ومرتبہ مل جائے اور وہ اس کی حفاظت کرتا رہے نیز اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے تو اللہ تعالی اس کو اس سے زیادہ قیمتی نعمت عطا کرتا ہے اور جب بندہ شکر کو ضائع کردے تو اللہ بھی اسے پست کردیتا ہے، کیونکہ نعمت شکر کے ذریعہ سے ہی ملتی ہے اور نعمتوں کے زیادہ ہونے کا تعلق بھی شکر ہی سے ہے اور نعمتوں کے اضافے کا سلسلہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوتا ہے جب تک شکر ادا کرنے کا سلسلہ منقطع نہ ہوجائے۔ لہذا جو شخص شکر بجالاتا ہے اس کو نعمتوں میں اضافہ حاصل ہوتا ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿وإذ تأذن ربكم لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم ان عذابي لشديد﴾ (۲)(اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکرگزاری کروگے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے)

اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرنے اور اس کی اطاعت کرنے سے بندے کے لیے دنیا اور آخرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿ولو أن أهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء

---

(۱)سبأ:(۱۳) (۲)ابراہیم:(۷)

والأرض ولكن كذبوا فأخذناهم بما كانوا يكسبون﴾ (۱)(اوراگران بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑلیا)

اللہ کی نعمتوں کا کیسے شکرادا کروں؟

شکرادا ہوتا ہے دل سے، زبان سے اوراعضاء وجوارح سے۔

دل کے ذریعہ شکر یہ ہے کہ آپ نعمتوں کونعمتوں کے پیدا کرنے والے کی طرف منسوب کریں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وما بكم من نعمة فمن الله﴾ (۲) (تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں سب اللہ کی دی ہوئی ہیں)

زبان کے ذریعہ شکر یہ ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ اس ذات کی حمد بیان کیجئے جو نعمتوں کونازل کرتا ہے، اس لیے کہ حمد شکر کی بنیاد اوراس کی شروعات ہےاور یہی سب سے افضل چیز ہے جس کے ساتھ زبان کوحرکت دیا جائے، نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "والحمد لله تملأ الميزان" (۳) اللہ کی حمد سے میزان بھر جائے گا۔

اعضاء وجوارح کے ذریعہ شکر یہ ہے کہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے ان عضاء وجوارح سے مددلی جائے اوران کواس کی ناراضگی اورنافرمانی میں استعمال کرنے سے روکا جائے، سب سے سعادت مند مخلوق وہ ہے جس نے نعمتوں کواللہ کی جانب اوردار آخرت کی جانب وسیلہ بنالیا، اورسب سے بدبخت مخلوق وہ ہے جواس کی نعمتوں کواپنی خواہشات اور لذتوں کو حاصل کرنے میں صرف کردے، لہذا تم اتنے ہی رزق پر قناعت کروجواللہ نےتم کودیا ہےتوتم لوگوں میں سب سے بڑے شکرگزار بن جاؤ گے اور یادرکھوکہ اللہ کی نعمتوں پرشکرگزاری بڑی عبادتوں میں سے ایک ہے، نبی کریم ﷺ

(۱)الاعراف:(۹۶) (۲)النحل:(۵۳) (۳)مسلم

نے فرمایا: "الطاعم الشاكر مثل الصائم الصابر" (۱) کھانا کھا کر شکر گزاری کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے صبر کرنے والا روزے دار۔

اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا:

استغفار گناہوں کی معافی کا سبب، جنت میں داخلے کا ذریعہ، مصیبتوں کو دور کرنے کا وسیلہ اور مال واولاد میں زیادتی کا باعث ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿فقلت استغفروا ربكم إنه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم بأموال وبنين ويجعل لكم جنات ويجعل لكم أنهارا﴾ (۲) (نوح علیہ السلام کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب برستا ہوا آسمان چھوڑ دے گا اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمھیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا) اور استغفار خوشگوار زندگی اور خیر کی زیادتی کا سبب ہے، اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿وأن استغفروا ربكم ثم توبوا إليه يمتعكم متاعا حسنا إلى أجل مسمى ويؤت كل ذي فضل فضله، وإن تولوا فإني أخاف عليكم عذاب يوم كبير﴾ (۳) (اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ ہوتو وہ تم کو وقت مقررہ تک اچھا سامان (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے) اور اسی استغفار کے ذریعہ قوت اور طاقت میں اضافہ ہوتا ہے، ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿ويا قوم استغفروا ربكم ثم توبوا إليه يرسل السماء عليكم مدرارا ويزدكم قوة إلى قوتكم ولا تتولوا

(۱) صحیح البخاری (۲) نوح: (۱۰-۱۲) (۳) ھود: (۳)

مجرمین﴾ (۱) (اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے پالنے والے سے اپنی تقصیروں کی معافی طلب کرو اور اس کی جناب میں توبہ کرو تا کہ وہ برسنے والے بادل تم پر بھیج دے اور تمہاری طاقت پر اور طاقت وقوت بڑھا دے اور تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو) اور استغفار آسمان سے رحمت کے نازل ہونے کا بھی سبب ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قال یا قوم لم تستعجلون بالسیئة قبل الحسنة لولا تستغفرون الله لعلکم ترحمون﴾ (۲) (آپ نے فرمایا: اے مری قوم کے لوگو! تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں مچا رہے ہو؟ تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے) استغفار گناہوں اور نافرمانیوں کی نحوست کو زائل کرتا ہے، قتادہ کہتے ہیں: ''بے شک یہ قرآن تمہاری بیماری اور دوا دونوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے لہذا تمہاری بیماری گناہ ہے اور تمہاری دوا استغفار ہے''۔ نبی کریم ﷺ خود بہت زیادہ استغفار کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إنه لیغان علی قلبي وإني لأستغفر الله في الیوم مائة مرة" (۳) میرے دل پر بھی (بعض دفعہ) پردہ سا آ جاتا ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ ابو منہال نے کہا: ''استغفار سے زیادہ محبوب بندے کی قبر میں کوئی پڑوسی نہیں ہوگا''۔ پس تم دن ورات میں ہر وقت زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرو تو تمہارے دینی و دنیاوی معاملات کی اصلاح ودرستگی ہو جائے گی۔

میں دل کی سختی میں مبتلا ہوں تو اس کا کیا حل ہے؟

دل اس حیات مستعار میں سختی اور نرمی کے مابین الٹتا پلٹتا رہتا ہے، تو جب اس زندگی میں سختی اور نافرمانی آ جاتی ہے تو دل سخت ہو جاتا ہے اور جب بندہ بہت زیادہ اطاعت شعار ہو جاتا ہے تو اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العالمین سے دوری اختیار کرنا بھی دل کی سختی کا سبب ہے، جب دل گناہوں کے دلدل میں پھنس جائے تو

(۱) ھود: (۵۲) (۲) النمل: (۴۶) (۳) مسلم

بندے کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ ان میل کچیل (کچرے) کے آگے سپر نہ ڈال دے، بلکہ اللہ کی جانب رجوع کرکے وہ ان گندگیوں کو دھلنے میں جلدی کرے جو دلوں میں پیوست ہوگئی ہیں کیونکہ اللہ رب العالمین نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی طرف رجوع کرنے والے اور ہر حال میں اس کی جانب پلٹنے والے تھے، اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے:﴿ان إبراهيم لحليم أواه منيب﴾ (۱) (یقیناً ابراہیم علیہ السلام بہت تحمل والے نرم دل اور اللہ کی جانب جھکنے والے تھے)

قساوت قلبی کے علاج کی کامیاب ترین تدبیروں میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱- کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا:

اللہ رب العالمین کا ذکر فرحت، خوشی، رزق اور عزت عطا کرتا ہے۔ اس سے اللہ رب العالمین کی مراقبت (نگہبانی) اس کی کثرت عبادت، اس کی طرف انابت اور اس کا تقرب حاصل ہوتا ہے، نیز یہ اس کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے، مکحول کہتے ہیں: ''اللہ کا ذکر کرنا دوا ہے اور لوگوں کا ذکر کرنا بیماری ہے''۔ ایک آدمی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس آکر ان سے کہنے لگا کہ میں آپ سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کرتا ہوں تو انھوں نے کہا کہ اس کو (دل کو) اللہ کے ذکر سے نرم کرو۔

اللہ کا ذکر کرنے سے درجات کی بلندی، گناہوں کی معافی، آفتوں سے دوری اور مصائب سے نجات حاصل ہوتی ہے، اس کے ذریعہ سخت قسم کی مصیبت دور ہوجاتی ہے اور سینے میں انشراح اور دل میں سکون ہوتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ألا بذكر الله تطمئن القلوب﴾ (۲) (یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل

(۱) هود: (۷۵) (۲) الرعد: (۲۸)

ہوتی ہے) اور یہی رسول اللہ ﷺ کی وصیت ہوتی تھی ہر اس شخص کے لیے جو آپ سے وصیت کا خواہاں ہوتا تھا کہ "لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله" (۱) ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھو۔

اللہ رب العالمین کے ذکر کے ذریعہ دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "مثل الذي يذكر ربه والذي لا يذكره مثل الحي والميت" (۲) اللہ کا ذکر کرنے والے اور اللہ کا ذکر نہ کرنے دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

جس شخص نے بھی اللہ کی عظمت کو پہچانا تو اس نے اس کا ذکر کثرت سے کیا کیونکہ ذکر واذکار کی زیادتی اللہ رب العالمین کے ساتھ سچائی کی علامت ہے۔

۲-اپنے کو گناہوں سے محفوظ رکھنا:

پس تم اپنے کان کو سارنگی اور غیبت جیسی چیزوں کو سننے سے محفوظ رکھو اور اپنی نگاہ کو ایسی چیز دیکھنے سے بچاؤ جس کا دیکھنا حلال نہیں ہے اور زبان کو بھی جھوٹ اور بہتان سے محفوظ رکھو۔

۳-بکثرت قرآن مجید کی تفسیر کو پڑھنا:

قرآن مقدس کے اندر وعظ، عبرت، ترغیب، ترہیب، وعدہ، عذاب کی باتیں موجود ہیں، لیکن قرآن پڑھنے والا اس کے معانی سے اسی وقت واقف ہوسکتا ہے جبکہ وہ آیتوں کے معانی اور ان کی تفسیر کے اندر خوب غور کرے، نیز ان کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

۴-علماء کے دروس میں حاضری:

نیک لوگوں کے ساتھ اجتماع اور علماء کی باتوں کو سننا دونوں تم کو آخرت کے راستے کی جانب لے جائیں گے اور یہی دونوں تم کو دنیا سے بے رغبت کر دیں گے۔

---

(۱) الترمذی (۲) بخاری

۵-علماء کی کتابوں کا مطالعہ کرنا:

علماء کے لکھے ہوئے خزانہ کا مطالعہ کرنا اللہ کی خشیت کی زیادتی کا سبب ہے، پس جب تم کسی عالم باعمل کی کتاب پڑھو تو یہ سمجھو گویا تم ایسے شخص کی کتاب پڑھ رہے ہو جس کی اللہ نے یہ کہہ کر تعریف کی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ نے فرمایا: ﴿إنما يخشى الله من عباده العلماء ان الله عزيز غفور﴾ (۱) (اللہ رب العالمین سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، واقعی اللہ زبردست بخشنے والا ہے) حقیقت میں جو آدمی ایسے شخص کی کتاب کو پڑھے جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اسے بھی ان بزرگوں کی صفات سے متصف ہونا چاہئے۔

۶- قبرستان کی زیارت:

قبروں کی زیارت کرنا نبی ﷺ کے طریقہ میں سے ہے اور اس میں اس زندگی کے بہت مختصر ہونے اور مذموم امیدوں سے دھوکہ نہ کھانے کا واضح بیان ہے، کتنے نیک لوگ ایسے ہیں جن کی آنکھیں قبروں کی زیارت کے وقت اللہ کے خوف سے اور موت کے بعد اپنے ٹھکانے کو یاد کر کے بہہ پڑتی ہیں، اسی زیارت قبور کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا: "إنها تذكركم الآخرة" (۲) بے شک قبر کی زیارت تم لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

ذکر کی قسمیں:

اللہ رب العالمین کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلمات ہیں: "سبحان الله، والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر".(۳) "ولا حول ولا قوة إلا بالله كنز من كنوز الجنة". (۴) لا حول ولا قوة إلا بالله. (نہ نیکی

---

(۱) فاطر: (۲۸)　　(۲) الترمذی، وابن ماجہ
(۳) مسلم　　(۴) بخاری ومسلم

کرنے کی طاقت ہے اور نہ گناہ سے بچنے کی قوت ہے مگر صرف اللہ کی توفیق سے) جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ ومن قال سبحان الله وبحمده غرست له نخلة في الجنة. (۱) جس شخص نے سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا تو اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے۔

"كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، حبيبتان إلى الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم". (۲) دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تعالی کو انتہائی پیارے ہیں، زبان پر بہت ہلکے ہیں اور ترازو میں انتہائی بھاری ہیں (وہ یہ ہیں) سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

والحمد لله تملأ الميزان وسبحان الله والحمد لله تملآن أو تملأ ما بين السماوات والأرض. (۳) الحمد للہ ترازو کو بھر دے گا اور سبحان اللہ والحمد للہ یہ دونوں کلمات زمین وآسمان کے درمیان خلا کو بھر دیتے ہیں۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے تو اس وقت آپ نے فرمایا: "أيعجز أحدكم أن يكسب في كل يوم ألف حسنة؟ فسأله سائل من جلسائه: كيف يكسب ألف حسنة؟ قال يسبح مائة تسبيحة، فيكتب له ألف حسنة أو يحط عنه ألف خطيئة". (۴) کیا تمہارا ایک آدمی روزانہ ہزار نیکیاں کمانے سے عاجز ہے؟ تو آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک سائل نے پوچھا وہ ایک ہزار نیکیاں کیسے کمائے؟ تو آپ نے فرمایا: سو مرتبہ سبحان اللہ کی تسبیح پڑھے تو اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، یا ہزار غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں۔

---

(۱) الترمذی (۲) بخاری، مسلم
(۳) مسلم (۴) مسلم

معاشرہ مجھے نیکیاں کرنے پرنہیں ابھارتا:

معاشرہ بہت زیادہ تبدیل ہوگیا ہے جس کی وجہ سے معاشرے کے عام لوگوں کے اندر جھوٹ، وعدہ خلافی، قطع تعلقی، والدین کی نافرمانی اور اطاعت کے کاموں کی ادائیگی میں سستی برتنا اور شبہ والی چیزوں سے اجتناب نہ کرنا جیسی بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔

لوگ اپنے دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے منافست کرتے ہیں۔ اور اسی کی خاطر آپس میں دشمنی کر لیتے ہیں۔ لوگ آخرت کے احوال سے غافل ہوکر دنیاوی میدان میں دوسروں کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں جبکہ اللہ رب العالمین نے انبیاء علیہم السلام کے قصے ان کے احوال اور ان کی عبادتوں کو بیان کر کے ہمیں ان کی اقتدا کرنے کا حکم دیا، نیز ان کے ان حالات کی اقتداء کرنے کا بھی حکم دیا جو ہماری شریعت کے مخالف نہ ہوں، اللہ نے فرمایا: ﴿أولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده قل لا أسألكم عليه أجرا إن هو إلا ذكرى للعالمين﴾(۱) (یہی لوگ ایسے تھے جن کو اللہ تعالی نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان ہی کے طریقے پر چلئے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا یہ صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے) اور نیک گھر والے زکریا، ان کے بیٹے اور ان کی بیوی کے بارے میں کہا کہ وہ لوگ دنیا سے کٹ کر اللہ کی جانب متوجہ ہوگئے اور تمام نیک کام کرنے میں سبقت کیا، تب اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فاستجبنا له ووهبنا له يحيى وأصلحنا له زوجه إنهم كانوا يسارعون في الخيرات ويدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خاشعين﴾(۲) (ہم نے ان کی دعا قبول فرما کر انھیں یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست

(۱) الانعام: (۹۰) (۲) الأنبياء: (۹۰)

کر دیا یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ، طمع اور ڈر سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے) اور جب تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو تو اس میں یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء کرو کیونکہ اللہ رب العالمین نے ان کے اس کام کی وجہ سے ان کی تعریف اپنے اس قول میں کی ہے: ﴿وبرا بوالديه ولم يكن جبارا عصيا﴾ (۱) (اور وہ اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرنے والے تھے اور سرکش و گنہگار نہ تھے)

جب تم معاشرہ میں دیکھو کہ لوگ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کر کے نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت (عادت) میں غوطہ زنی کر رہے ہیں تو ایسی حالت میں تم یاد کرو کہ اللہ رب العالمین نے اپنے خلیل اسماعیل علیہ السلام کے وعدہ پورا کرنے کی وجہ سے تعریف کی ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿واذكر في الكتاب إسماعيل انه كان صادق الوعد وكان رسولا نبيا﴾ (۲) (اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی)

لوگوں کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ وہ اپنے مالوں میں بخیلی کرتے ہیں اور سخاوت کی عادت سے اعراض کرتے ہیں جبکہ انبیاء علیہم السلام اس صفت میں سب سے مقدم تھے، اللہ رب العالمین نے ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت کے بارے میں خبر دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس گئے اور (وہاں سے) ایک بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے آئے اور اسے صرف تین مہمانوں کی ضیافت کے لیے پیش کیا، اور ہمارے نبی محمد ﷺ سے ایک آدمی نے مال کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے اسے دو پہاڑیوں کے درمیان بکریوں کا ایک ریوڑ دے دیا۔

جب تم بعض معاشرے میں انحراف کے واقعات، لوگوں میں قلت حیا اور بعض

---

(۱) مریم: (۱۴)　　(۲) مریم: (۵۴)

نوجوانوں کوحرام تعلقات قائم کرتے ہوئے دیکھ کر تکلیف محسوس کروتو تم یاد کرو کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی گذرے ہیں جن کو اللہ نے حسن وجمال ونسب سے نوازا جس کی وجہ سے فاحشہ وبدکارعورت ان کو دعوت زنا دے رہی تھی لیکن اس کے باوجود اس برائی سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کی خاطر فحش کاری کے بالمقابل جیل جانے کو ترجیح دیا، یہاں تک کہ اس عورت کی بات نہ ماننے کی وجہ سے ان کو جیل میں ڈال دیا گیا، اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿قالت فذلكن الذي لمتنني فيه ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ولئن لم يفعل ما آمره ليسجنن وليكونا من الصاغرين﴾ (۱)(یہی ہیں جن کے بارے میں تم مجھے طعنہ دے رہی تھیں، میں نے ہر چند اس سے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا لیکن یہ بال بال بچا رہا اور جو کچھ میں اس سے کہہ رہی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو یقیناً یہ قید کردیا جائے گا اور بے شک یہ بہت ہی بے عزت ہوگا)

دنیا کی خوشحالی اور اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے خادموں کی فراوانی کی وجہ سے بعض لوگوں کے دل میں تکبر اور گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے تو جب تم اس کیفیت کو اپنے اندر محسوس کروتو اس سے کہو: اے نفس رک جا کیونکہ وہ رسول جو حسب ونسب کے اعتبار سے بہت بلند تھے اور ان کی قدر ومنزلت بہت عظیم تھی نیز ان کا اللہ رب العالمین کے یہاں بہت اعلی مقام تھا، اس کے باوجود وہ خود اپنی بکریوں کا دودھ دوہتے، اپنا کام خود کرتے، اپنے جوتے کو سلتے اور چٹائی پر سوتے یہاں تک کہ اس کا نشان ان کے پہلوؤں پر ظاہر ہوتا۔

پرمشقت حیات کے شوروغل کے درمیان اور اللہ کے بندوں کے ساتھ کثرت تعامل کے سبب بعض لوگوں کے اقوال میں خطا اور ان کے افعال میں لغزش ہو جایا

---

(۱) یوسف:۳۲

کرتی ہے ایسی حالت میں اگر کوئی آپ کے ساتھ برا کر بیٹھے تو آپ اپنی عادت وخصلت کو معافی ودرگزر سے آراستہ کریں اور یاد رکھیں کہ ایسے بھی لوگ گزرے ہیں کہ جوتنہا گہرے کنویں میں ڈال دیئے گئے جبکہ وہ اجنبیت میں یکتا اور اپنی عمر میں کمسن تھے، نیز ان کے ساتھ طرح طرح کی چالیں چلی گئیں، اس کے باوجود انھوں نے ان سب لوگوں کو معاف کر دیا جنھوں نے ان کے ساتھ اس قدر بڑے بڑے جرم کیے تھے، اور ان سے کہا: ﴿قال لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين﴾ (١) (جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے)

معصیت کاروں کے ساتھ میں کیسے پیش آئیں؟

تم مخلوق کو رہنمائی کرنے سے پیچھے مت ہٹو اگر چہ انحراف زیادہ ہو اور اپنی دعوت کے طریقے سے مایوس نہ ہو، کیونکہ وہ لوگ تمہارے ضرورت مند ہیں اور اس پر یقین رکھو کہ گنہگار ذلت ورسوائی کے کٹ گھڑے میں ہوتے ہیں، اگر چہ وہ لوگ بظاہر عزت کا دعوی کریں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ان الذين اتخذوا العجل سينالهم غضب من ربهم وذلة في الحياة الدنيا وكذلك نجزي المفترين﴾ (٢) (بے شک جن لوگوں نے گئو سالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی اور ہم افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) گنہگاروں کو ان کے گناہوں کے بمقدار ذلت ورسوائی کا لباس ہر وقت گھیرے رہتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "وجعل الذل والصغار على من خالف أمري" (٣) ذلت اور بے قدری ہر اس شخص پر ہوگی جس نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔

اطاعت وفرماں برداری کرنے والے عزت والے ہوتے ہیں اور وہ اپنی فرماں

---

(١) یوسف: (٩٢) (٢) الاعراف: (١٥٢) (٣) مسند أحمد

برداری کے بقدر معزز ہوتے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ولله العزة ولرسوله﴾ (۱)
(سنو عزت تو صرف اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لیے ہے)

تو تم اپنے معاشرے میں عزیز ہو جاؤ اور اپنے بازو کو اپنی دعوت کے ذریعہ حکمت اور نرمی کے ساتھ اس شخص کے لیے جھکا دو جو معصیت میں مبتلا ہے اور اسے حقیر نہ سمجھو، ساتھ ہی ساتھ اس کے لیے ہدایت کی دعا کرو، کیونکہ حسن اخلاق کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام دلوں کو قابو میں کر لیتا ہے۔

فتنوں سے دوری:

اسلام نے حکم دیا ہے کہ دل کی صفائی کی جائے، عقیدے کو درست کیا جائے اور عیب سے اسے پاک کیا جائے، اسی طرح اسلام نے دل کو شبہات سے گندہ کرنے اور شہوات میں ملوث ہونے سے روکا ہے، شمع نبوت سے دوری کے زمانے میں اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ دین کے سرچشمے کو مضبوطی سے تھاما جائے، نبی ﷺ فرماتے ہیں: "لا يأتي زمان إلا والذي بعده شر منه" (۲) کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا کہ اس کے بعد والا زمانہ اس سے برا نہ ہو۔ اور فتنوں کی گندگی میں ایک گندگی یہ بھی ہے کہ جو فتنوں کی طرف اپنی گردن کے ذریعہ جھانکے گا تو فتنوں کی نجاست اسے ضرور پکڑ لے گی، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے فتنے کی طرف جھانکا تو اسے فتنے نے پکڑ لیا''۔ اور دین حنیف اسلام یہ حکم لے کر آیا ہے کہ کتاب وسنت کی مضبوط روشنیوں کو تھاما جائے اور ان دونوں کی مخالفت سے منع کیا ہے، کیونکہ اس سے دل کے اندر فساد اور شبہات آجاتے ہیں، اور جب دل کے اندر شبہات آجاتے ہیں تو اسے جڑ سے اکھاڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب بندہ اپنے آپ کو مصیبت کی جانب پیش کرے گا تو اللہ اس کو اس

(۱) المنافقون: (۸) (۲) صحیح البخاری

کے سپرد کردے گا‘‘۔(۱)

واجبات کی ادائیگی کے سلسلے میں کوتاہی کرنے سے، برائیوں کے پیچھے بھاگنے سے اور لوگوں کے ساتھ اخلاق کے سلسلے میں ٹی وی (.T.V) چائنلوں پر اعتماد کرنے سے انسان ہمیشہ ہلاکت میں پڑتا ہے۔

دل جب بہت زیادہ گناہ کی وجہ سے تاریک ہوجاتا ہے تو اس کے اوپر نیکیوں کی ادائیگی بھاری پڑتی ہے اور برائیوں کا قبول کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے، نزول وحی کے زمانے میں جبکہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ سے چمٹے رہتے تھے پھر بھی نبی کریم ﷺ کو ان کے سلسلے میں فتنے کا خدشہ رہتا تھا، جب نبی کریم ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تورات کا ایک نسخہ لیے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا: "أومتهوكون فيها يا ابن الخطاب؟ لو كان موسى حيا ما وسعه إلا اتباعي" (۲) کیا تم اپنے دین کے معاملے میں شک میں مبتلا ہو، اے عمر بن خطاب! (سنو) اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

جو شخص شبہ والی چیز اور خواہشات کے پیچھے پڑے پھر دل کی اصلاح کی کوشش کرے تو وہ ایک ناممکن چیز کا قصد کررہا ہے، اور بہت ساری لغزشیں انسان کو ہلاک کردیتی ہیں، اور بہت سارے سستی کرنے والے منزل مقصود تک نہیں پہنچ پاتے، اور نفس کو جب خواہشات میں مبتلا کریں گے تو وہ خواہشات میں مبتلا ہوگا، پس آپ اسے اوامر ونواہی کی لگام سے مقید کیجئے، اور جو شخص خواہشات پر صبر کرنا سیکھ لے گا تو اس کے لیے نتائج برآمد ہوں گے، پس وہ فتنوں کے اسباب اور ان کے مقامات سے دور رہے گا، اس لیے کہ فتنوں سے قریب ہونا ایسی مشکل ہے کہ شاید ہی کوئی اس سے بچ

---

(۱) الفتاوی: (۱۰/۷۷ھ)　(۲) مسند احمد

پائے، اور جو آدمی چراگاہ کے آس پاس چرے گا وہ عنقریب اس میں واقع ہو جائے گا، آپ اپنے نفس کو علم کی زادِ راہ سے مضبوط کیجئے، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کیجئے، مسلک حق پر چلئے، ہدایت کے منہج کو مضبوطی سے تھامے رہئے، اپنے عقیدے کی حفاظت کی کوشش کیجئے، علماء ایک دوسرے کو فتنوں کے مقامات سے دور رہنے کی وصیت کرتے تھے، ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''گمراہ کن باطل شبہات کا لشکر جب کسی دل پر حملہ آور ہوتا ہے اور دل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو شبہات کے لوازم اس کی زبان واعضاء سے جھڑتے ہیں اور اگر باطل شبہات اسے پلا دیئے جائیں تو شکوک وشبہات اس کی زبان سے بہتے ہیں''۔(١)

برا ہم نشیں:

برے دوست کی جو تاثیر ہوتی ہے وہ دین، سیرت، آداب، اخلاق اور خواہشات پر ظاہر ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "المرء على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل" (٢) آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔

برے دوست کا نقصان ظاہر ہے، اور انسان پر اس کا نقصان ہونے کی وجہ سے اسلام نے ان کی مصاحبت اختیار کرنے سے ڈرایا ہے، ان کے ساتھ ٹھہرنے کو حرام قرار دیا اور نیک معاشرے کی جانب ہجرت کرنے کو واجب قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ان الذين توفاهم الملائكة ظالمي أنفسهم قالوا فيما كنتم قالوا كنا مستضعفين في الأرض قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها فأولئك مأواهم جهنم وساء ت مصيرا﴾ (٣)(جولوگ

---

(١) مفتاح دار السعادة: (١/١٤٠)

(٢) أبوداود (٣) النساء: (٩٧)

اپنی جانوں پرظلم کرنے والے ہیں، جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالی کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے)

انسانی طبیعت اور فطرت ایسی ہے کہ وہ جن سے ہم نشینی اختیار کرتا ہے ان کا اثر بہت جلد قبول کر لیتا ہے، یہاں تک کہ وہ چوپایوں سے بھی متاثر ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "الفخر والخيلاء في الفدادين أهل الوبر، والسكينة في أهل الغنم" (۱) فخر اور تکبر اونٹ والوں میں ہوتا ہے اور نرمی بکری والوں میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ اونٹوں کے مالکان میں گھمنڈ اور تکبر ہوتا ہے اور بکریوں کے چرواہوں کے اندر وقار اور تواضع ہوتا ہے، تو جب انسان ایسے چوپایوں سے متاثر ہو جاتا ہے جس کے پاس عقل نہیں ہے اور نہ ہی کھانے پینے میں اختلاف کے باوجود ان کی آواز کا مطلب بھی سمجھا جا سکتا تو اس انسان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ جو باتوں کے ذریعہ تم سے تبادلۂ خیال کرتا ہے اور تم اس کے قول کو سمجھتے بھی ہو بلکہ وہ تم کو اپنی خواہشات پر ابھارتا ہے اور تمہارے لیے شہوت کو مزین کر دیتا ہے، کیا یہ حقیقی بات نہیں ہے کہ تم اس سے متاثر ہو جاتے ہو؟

برا دوست تم کو تمہارے رب سے دور کر دے گا اور تمہاری لغزشوں کو تلاش کرتا رہے گا، خوشحالی میں تم سے قریب ہوگا، بدحالی میں تم سے دور ہو جائے گا، وہ اپنی لذتوں کے پیچھے بھاگتا رہے گا، اور جب وہ اپنی خواہشات کو پا لے گا تو تم سے الگ ہو جائے گا۔

برا دوست تم کو زندگی کے آخری لمحے تک نقصان پہنچاتا ہی رہے گا اور اگر تم اس

(۱) متفق علیہ

کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہوتو نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب کے قصے میں غور کرو کہ جب وہ احتضار کی حالت میں تھے اوران کے دونوں جانب ان کے دو برے دوست عبداللہ بن ابوامیہ اورابو جہل بیٹھے ہوئے تھے تو جب ابو طالب کی وفات کا وقت آ گیا اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے ، جبکہ ان کے پاس یہ دونوں عبداللہ بن ابوامیہ اورابوجہل بیٹھے ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے کہا: "يا عم قل لا إله إلا الله، كلمة أحاج لك بها عند الله، فقالا له: أترغب عن ملة عبد المطلب؟ أي لا تسلم بل استمر على الكفر، فأعاد عليه النبي ﷺ فأعادا عليه فكان آخر ما قال هو على ملة عبدالمطلب وأبى أن يقول لا إله إلا الله". (۱)اے میرے چچا جان! آپ ''لا إلہ إلا اللہ'' کہہ دیجیے، یہ ایک ایسا کلمہ ہے کہ جس کی وجہ سے میں اپنے پروردگار کے دربار میں آپ کے لیے حجت پیش کروں گا تو وہ دونوں ان سے (جوان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے) کہنے لگے کیا تم عبدالمطلب کے دین سے بے زار ہونا چاہتے ہو؟ یعنی تم اسلام قبول نہ کرو، بلکہ تم کفر پر بالاستمرار باقی رہو، آپ ﷺ نے دوبارہ یہ بات کہی تو ان دونوں نے بھی اپنی بات کو دوبارہ کہا، تو (ابوطالب) کا جو آخری کلام تھا وہ یہ تھا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اورانھوں نے لا إلہ إلا اللہ کہنے سے انکار کردیا۔

مشفق نصیحت کرنے والے کی حرص کو دیکھو کہ وہ اپنے چچا کو جہنم سے نجات دلانے کے کتنے متمنی ہیں جبکہ چچا بستر مرگ پر ہیں، لیکن ان کے دونوں برے دوستوں نے احتضار کی کمزور حالت میں بھی رحم نہیں کیا بلکہ وہ دونوں ان کے پاس بیٹھ کر کے کفر کی تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہوگئے ، درحقیقت یہی برے دوست کی شان ہوتی ہے۔

---

(۱) بخاری، مسلم

برے دوست مختلف صورتوں میں نئے نئے ضرر دیتے رہتے ہیں، اسی وجہ سے پیارے نبی ﷺ برے دوست کو بھٹی پھونکنے والے کے مشابہ قرار دیا ہے جس سے تم کو ہر حال میں ایذا پہنچنے والی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك أي يعطيك – واما أن تبتاع منه – أي تشتري منه وإما أن تجد منه ريحا طيبة ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك وإما ان تجد منه ريحا خبيثة". (۱) صالح ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال خوشبو بیچنے والا (عطار) اور بھٹی پھونکنے والا (لوہار) جیسی ہے، عطار یا تو ویسے ہی تمہیں خوشبو ہدیہ کردے گا یا تم اس سے خرید لوگے یا کم از کم اس کے پاس سے اچھی خوشبو پاؤ گے لیکن اس کے برخلاف لوہار کا معاملہ ہے کہ وہ یا تو تمہارا کپڑا جلا دے گا یا اس کے پاس سے تمہیں بدبو ملے گی۔

برے ہم نشین کا ضرر ہر ایک کے لیے ظاہر ہے، وہ تم کو عبادت اور اچھے اعمال کرنے میں سست کردے گا، اور تم کو تمہاری زندگی کے واجبات کو ادا کرنے میں لاغر کردے گا اور تمہاری بلند ہمتی کو پست کردے گا، نہ بلند مقاصد کے لیے تم کو اٹھائے گا اور نہ رذیل حرکتوں سے بچائے گا۔

برا دوست تیری بلند ہمتی اور نیک خواہشات کے سامنے آڑ بن کر کھڑا ہو جائے گا بلکہ اس کی ایک بری تاثیر یہ ہے کہ وہ تم کو دنیا والوں کے سامنے معاشرے میں تمہاری شہرت اور مقام کو داغ دار کردے گا۔ شاعر کہتا ہے:

إذا ما صحبت القوم فاصحب خيارهم
ولا تصحب الأردى فتردى مع الردى

---

(۱) بخاری، مسلم

(جب تم کسی قوم کی صحبت اختیار کرو تو ان میں سے سب سے اچھے کی صحبت اختیار کرو، اور گھٹیا کی صحبت اختیار نہ کرو، کیونکہ وہ تم کو گندگی میں ڈال دے گا)

تو تم برے دوست سے اس کی صحبت اختیار کرنے کی وجہ سے آخرت میں شرمندگی حاصل ہونے سے پہلے ڈرو، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ویوم یعض الظالم علی یدیه یقول یالیتني اتخذت مع الرسول سبیلا، یا ویلتیٰ لیتني لم أتخذ فلانا خلیلا، لقد أضلني عن الذکر بعد إذ جاء ني وکان الشیطان للإنسان خذولا﴾ (۱) (اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول (ﷺ) کی راہ اختیار کی ہوتی، ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آپہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے)

ہم نشینی اختیار کرنے میں نبی کریم ﷺ کی وصیت پر عمل کرو، آپ نے فرمایا: "لا تصاحب الا مؤمنا ولا یأکل طعامك إلا تقي" (۲) تو مومن کے علاوہ کسی کی صحبت اختیار نہ کر اور پرہیزگار کے علاوہ کوئی تمہارا کھانا نہ کھائے۔

نیک ہم نشیں:

آدمی اپنے دوست سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی مجلسوں سے پہچانا جاتا ہے، چونکہ مسلمان الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اپنے رب کریم کی عبادت کرنے میں کمزور ہوتا ہے اسی لیے اس کے لیے ایک ایسا ہم نشین ضروری ہے جو اسے اس کے رب کی طرف راستہ اختیار کرنے میں مدد کرے (مضبوط کرے) ایسے دوست کا اسلام کی نظر میں بہت بڑا مرتبہ ہے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام بلکہ اولوالعزم رسولوں نے بھی اپنے لیے ایک دوست کا انتخاب کیا، چنانچہ عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿من أنصاري

(۱) الفرقان: (۲۷-۲۹)　　(۲) أبوداؤد

إلى الله﴾ (۱)(کون ہے جواللہ کی راہ میں میرا مددگار بنے) یعنی کون ہے جواللہ کی جانب دعوت دینے میں میری مدد کرے اور ہمارے نبی محمد ﷺ نے بھی اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک دوست کا انتخاب کیا، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿إذ يقول لصاحبه لا تحزن إن الله معنا﴾ (۲)(جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے) اور اللہ رب العالمین نے ہمارے نبی کے ایک ساتھی ہونے کی خبر دی ہے اور نبی کریم ﷺ بھی فرماتے: "لو كنت متخذا من أمتي خليلا لاتخذت أبابكر خليلا ولكنه أخي وصاحبي" (۳) اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں (ہم نشین ہیں)۔ نبی کریم ﷺ اپنے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کے گھر روزانہ دو مرتبہ ملنے جاتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: "لم أعقل أبوي إلا وهما يدينان الدين ولم يمر علينا يوم إلا يأتينا فيه رسول الله ﷺ طرفي النهار بكرة وعشيا" (۳) میں نے جب سے اپنے ماں باپ کو پہچانا ان کو اسلام ہی پر پایا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا تھا کہ آنحضرت ﷺ صبح وشام دن کے دونوں حصے میں ہمارے پاس نہ آتے ہوں۔

نیک دوست تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تمہاری موجودگی میں تم سے محبت کا اظہار کرتا ہے، تم کو تمہارے رب سے قریب کرتا ہے، تم کو بھلائی کی جانب رہنمائی کرتا ہے، جب تم کسی چیز کو بھول جاتے ہو تو وہ تم کو یاد دلاتا ہے، جب تم غفلت میں ہوتے ہو تو وہ تم کو ابھارتا ہے، تم اس کی جانب سے صرف بہترین بات اور بہترین کام ہی سنو گے، پس اپنی راہ میں اپنے ایک مخلص ناصح دوست کو چنو وہ تمہاری مدد کرے گا، جب تم کمزور اور ضعیف ہو گے تو وہ تمہاری ہمت کو قوی کر دے گا۔ پس

(۱) الصف: (۱۴) (۲) التوبة: (۴۰) (۳) بخاری، مسلم (۴) بخاری

نیک، شریف، اونچے اخلاق، تقوی اور علم وادب والے لوگوں کے ساتھ زیادہ زیادہ بیٹھا کرو۔

گناہوں سے اجتناب کرنا:

گناہ کی تاثیر بہت قبیح ہوتی ہے اگر اسے جلدی جلدی کیا جائے، اور اگر اس کو اکٹھا کیا جائے تو وہ تکلیف دہ ہوتی ہے، کیونکہ اس کی چنگاری بسا اوقات پورے شہر کو خاک کر دیتی ہے، گناہ آدمی کی گردن کا بدنما ہار ہے اور اس پر اصرار کرنے میں بربادی ہے، معاصی کی وجہ سے نعمتیں ختم ہوجاتی ہیں اور سزا واجب ہوجاتی ہے، گناہوں کے سبب صاحب معصیت کے لیے معاملات تنگ ہوجاتے ہیں چنانچہ وہ کسی کام کو کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ اس کے کرنے کے دروازے اس کے اوپر بند ہیں یا اس کا کرنا اس کے لئے مشکل ہے، گناہ کی وجہ سے عمر میں برکت ختم ہوجاتی ہے، گناہ کی وجہ سے آدمی کو جو سرور اور لذت ملتی ہے اس سے دوگنا وہ دنیا اور آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہوتا ہے اور گناہ کی سزا واجب ہوجاتی ہے، اگرچہ کچھ دن کے بعد ہی ملے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿من يعمل سوء يجز به﴾ (۱)(جو شخص برا کرے گا اس کی سزا وہ پائے گا)

ابلیس کو عزت اور بلندی کے درجے سے پست درجے (دنیا) کی جانب اتار دیا گیا صرف ایک سجدہ کو چھوڑ دینے کی وجہ سے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا، اور آدم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو اس درخت کے پھل کو کھانے کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا، ایک عورت ایک بلی کو قید کرنے کی وجہ سے جہنم رسید کر دی گئی اور ایک آدمی گھمنڈ سے اپنے ازار کو گھسیٹتے ہوئے چل رہا تھا جس کی وجہ سے اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ زمین میں قیامت کے دن تک دھنستا رہے گا۔ اسی طرح گناہ ہلاکت کو لاتے ہیں، ایسی صورت میں تم گناہ سے خوف کھاتے رہو اور سزا

---

(۱) النساء:۱۲۳

سے مطمئن نہ رہو، کیونکہ گناہ کا گنہگار کے اوپر آسان ہونا اس کی ہلاکت کی نشانیوں میں سے ہے، اور جب کبھی بندے کی نظر میں گناہ چھوٹا ہوتا ہے تو وہ اللہ رب العالمین کے نزدیک بہت بڑا ہوجاتا ہے، پس تم گناہ کو حقیر جاننے سے بچو، کیونکہ جب وہ کسی آدمی پر اکٹھا ہوجائیں گے تو اس کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دیں گے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "فإنما مثل محقرات الذنوب كمثل قوم نزلوا بطن واد فجاء ذا بعود وجاء ذا بعود حتى جمعوا ما انضجوا به خبزهم" (۱)

گناہ اس وقت بڑے ہوجاتے ہیں اور اس کے خطرات دوچند ہوجاتے ہیں جب بندہ اس کو کھلم کھلا انجام دے یا اس کو کمتر سمجھے یا اس پر خوش ہو یا گناہ پر اللہ کی پردہ پوشی کی وجہ سے اسے آسان سمجھے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "إنكم لتعملون أعمالا هي أدق في أعينكم من الشعر وإن كنا لنعدها على عهد رسول الله ﷺ من الموبقات" (۲) تم بہت سے ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری آنکھوں میں بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں (یعنی کمتر ہوتے ہیں) اور ہم انھیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سخت تباہ کن چیزوں میں شمار کرتے تھے۔ جب محمد بن منکدر رحمہ اللہ کی موت آن پڑی تو وہ رو پڑے، ان سے کہا گیا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم میں کسی ایسے گناہ کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جس کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ اس کو میں نے کیا ہے، لیکن مجھے ایسے گناہ سے ڈر لگتا ہے جسے میں نے معمولی سمجھ کر کیا ہو، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہو''۔ گناہ صرف منع کردہ چیزوں کے ارتکاب کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ منجملہ گناہوں میں سے واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا بھی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''توبہ واستغفار واجب کو ترک کرنے اور محرمات کے ارتکاب سے ہوتا ہے، پہلی چیز (واجبات کا ترک کرنا) بہت سے لوگوں پر مخفی ہوتا ہے''۔ (۳)

---

(۱) مسند أحمد (۲) بخاری (۳) الفتاوی: (۱۰/۶۷۰)

کمزور نہ بنو:

اللہ رب العالمین کی یہ سنت ہمیشہ سے جاری رہی ہے کہ معصیت کا ارتکاب کرنے والے رحمٰن کی اطاعت کرنے والے سے زیادہ ہوتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وإن كثيرا من الناس لفاسقون﴾ (۱)(اکثر لوگ فاسق ہی ہوتے ہیں)اور فرمایا:﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلوك عن سبيل الله إن يتبعون إلا الظن وإن هم إلا يخرصون﴾(۲)(اور دنیا کے اندر بہت زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں گے، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں) ایک جگہ اور اللہ عز وجل فرماتا ہے: ﴿وقليل من عبادي الشكور﴾ (۳) (میرے بندوں میں شکر گزار بندے بہت کم ہوتے ہیں)

جب تم دیکھو کہ اہل معاصی کی کثرت ہے اور وہ غالب ہیں تو یہ بات تم کو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہنے سے نہ روکے بلکہ اس وقت تم حق کو دیکھو لوگوں کی تعداد کو نہ دیکھو، اس لیے کہ اللہ رب العالمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ ایک امت تھے حالانکہ وہ تنہا ہی تھے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إن إبراهيم كان أمة قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين﴾ (۴)(بے شک ابراہیم علیہ السلام پیشوا (ایک امت تھے) اور اللہ کے فرماں بردار اور یک طرفہ مخلص تھے) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''تم ایک امت ہو، اگر چہ تم تنہا اور اکیلے ہو''۔

کثرت انحراف تم کو اپنے دین پر جمے رہنے کی دعوت دیتا ہے نہ کہ اس میں کمزوری ظاہر کرنے کی، کیونکہ یہ چیز تم کو اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے پر ابھارتی

---

(۱)المائدہ:(۴۹)　(۳)الانعام:(۱۱٦)
(۳)سبأ:(۱۳)　(۴)النحل:(۱۲۰)

ہے کہ اس نے تم کو اپنی مخلوقات کے درمیان سے ہدایت کے لیے منتخب کرلیا جبکہ تیرے علاوہ کو گمراہ کردیا۔ لہذا یہ بات تمہارے اندر اللہ کی اس عظیم نعمت اور الٰہی انعام کو یاد کرنے کا احساس پیدا کرے گی۔ یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اندر ہدایت کا اضافہ کرے گی اور غیروں کو دعوت دینے کا جذبہ زیادہ کرے گی، فضیل بن عیاض کہتے ہیں:

''باطل کے متبعین کی کثرت کی وجہ سے باطل سے دھوکہ نہ کھاؤ اور حق پر چلنے والوں کی قلت سے حق سے اجنبی نہ بنو''۔ پس جب تم حق کے راستے پر چلو تو یہ یقین رکھو کہ لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ وہ بھی تمہاری طرح حق پر رہیں، لیکن ہدایت صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔ لہذا تم اللہ کی تعریف کرو کہ اس نے تم کو استقامت عطا کرکے احسان کیا۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے:

اس زندگی میں انسان کی عمر محدود ہے اور آخرت میں اس کا مقام ودرجہ اس دنیا میں گذارے ہوئے ایام کی بنیاد پر ہے، لہذا اگر تم اپنے لیے نیک عمل کو آگے بھیجو گے تو تم نیک بخت شمار کیے جاؤ گے، لیکن اگر اس زندگی میں اپنے آپ کو مہمل بنائے رہو گے اور اپنے اوقات کو ضائع کرو گے تو آخرت میں شرمندہ ہوگے، اللہ عزوجل نے یہ بات ذکر کی ہے کہ تم آخرت میں اپنے دنیاوی عمل کی وجہ سے بندھے رہو گے، اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ (۱) (اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی) اور تمھیں نہیں معلوم کہ کب تمہارے پاس ملک الموت آجائیں اور جب وہ تمہاری روح کو قبض کرلیں گے تو تمہارے قریبی، تمہارے دوست واحباب اور تمہارے ارد گرد رہنے والے سب تمہارے دفن کے بعد اس دنیا میں مصروف ہوجائیں گے اور اس بھاگ دوڑ والی دنیا

(۱) النجم: (۳۹)

کے لیے کوشش کریں گے جس کی وجہ سے وہ لوگ تمہاری موت کے بعد تمہارے لیے دعا کرنے سے بھی غافل ہو جائیں گے، اور دنیا میں بھلا دینا ہی اللہ کی سنت رہی ہے، پس مثال کے طور پر تم اپنے والد کے لیے دعا نہیں کرتے ہو، حالانکہ وہ تم سے دور نہیں ہیں بلکہ وہ تو اس دنیا میں تمہارے وجود کا سبب ہیں اور عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمہارے پوتے اور جو ان کے علاوہ ہیں تیرے لیے دعا کرنا بھول جائیں گے کیونکہ یہ چیز تمہاری جانب سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور لوگ تجھ سے تیری موت کے بعد غافل ہو جائیں گے، پس تم زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرو اور دنیا میں ہر نیکی کے دروازے کو دستک دیتے رہو، ہو سکتا ہے کہ وہ چیز تم کو آخرت میں تمہارے رب سے قریب کر دے۔

کسی نیک عمل کو حقیر نہ جانو:

تم کسی بھی نیک عمل کو جسے کرتے ہو حقیر نہ سمجھو، اگر چہ وہ تمہاری نظر میں بہت کمتر ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے جنت میں داخلہ کا سبب بن جائے، اور نہ ہی تم کسی معصیت اور گناہ کے ارتکاب کو جسے تم کرتے ہو حقیر اور چھوٹا سمجھو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے جہنم میں داخلہ کا سبب بن جائے، اسی لیے تم نیک اعمال کے تمام دروازے کو دستک دیتے رہو کیونکہ تم نہیں جانتے ہو کہ کون سی نیکی ایسی ہے جو تمہارے لیے جنت کے دروازے کو کھول دے، چنانچہ ایک آدمی راستے سے درخت کی ڈالی ہٹانے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا۔ کبھی تم کسی سے کوئی نصیحت آمیز بات کہتے ہو جس کی وجہ سے وہ سعادت مند ہو جاتا ہے اور زندگی بھر سعادت مند رہتا ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "اتقوا النار ولو بشق تمرة" تم لوگ جہنم سے بچو اگر چہ ایک کھجور کے ذریعہ کیوں نہ ہو، اسلام کی نظر میں ہر نیک عمل بہت عظیم ہے، اس لیے نیک عمل پر مدامت کرو، اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے

فرمایا: "أحب الأعمال إلى الله أدومها وإن قل" (۱)''اللہ رب العالمین کے نزدیک بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگر چہ وہ کم ہی ہو''۔اور برائی کے تمام راستوں سے ڈرو کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ کون سا گناہ تم کو جہنم کے گڈھے میں گرادے گا، چنانچہ ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت جہنم میں داخل ہوگئی، نبی علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: "دخلت امرأة النار في هرة لا هي أطعمتها وسقتها إذ حبستها ولا هي تركتها تأكل من خشاش الأرض" (۲) ''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا گیا کہ جب اس نے اس بلی کو قید کیا تو وہ نہ اسے کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے پلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالیتی''۔ پس تم بزرگی اور شرافت کی راہ اختیار کرو، بہترین اخلاق اور بشاشت کو اپناؤ، دوسروں کی خدمت کرو، سچ بات بولو، وعدہ پورا کرو، مالی معاملات کو بہتر بناؤ اور بھلائی کے تمام دروازوں میں سے ہر دروازہ کو پکڑے رہو، ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مطلق عبادت گزار کی ہرگز یہ غرض نہیں ہوتی کہ وہ اپنی عبادت کے ذریعہ دوسروں سے آگے بڑھا ہوا رہے، بلکہ اس کا مقصد اپنی عبادت سے اللہ کی رضا کا حصول ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہو، پس اس کی عبادت کا انحصار اللہ کی رضا مندی پر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ برابر عبودیت کی منزلوں کو طے کرتا رہتا ہے جب کوئی عمل کا مقام اس کے لیے اونچا ہوتا ہے تو اسی پر وہ چل پڑتا ہے اور اسی میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ کوئی دوسرا مقام اس کے لیے ظاہر ہو جائے، اور آگے بڑھنے میں اس کی یہی عادت بنی رہتی ہے یہاں تک کہ چلنا بند ہو جاتا ہے، تو اگر تم علماء کو دیکھو گے تو اس آدمی کو علماء کے ساتھ پاؤ گے اور عبادت گذاروں کو دیکھو گے تو اسے ان کے ساتھ پاؤ گے اور مجاہدین وذاکرین کو دیکھو گے تو اسے ان کے ساتھ پاؤ گے اور اگر صدقہ وخیرات کرنے

(۱) بخاری، مسلم (۲) بخاری، مسلم

والے محسنین کو دیکھو گے تو اس کو ان کے ساتھ پاؤ گے‘‘۔(۱)

موت کو یاد کرو اور قبرستان کی زیارت کرو:

عقلمند پر واجب ہے کہ وہ موت کو ہر روز اور رات و دن بار بار اس طرح یاد کرے کہ دل حاضر رہے اور دنیا کی بے جا طمع و لالچ ختم ہو جائے، موت کو زیادہ یاد کرنے سے برائیوں سے حفاظت ہوتی ہے اور تباہیوں سے حفظ و امان ملتا ہے، اور دوسروں کی موت تم کو اپنی موت کا منظر دکھاتی ہے، نبی کریم ﷺ دن و رات بہت زیادہ قبر کی زیارت کیا کرتے تھے خصوصا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں باری ہوتی تو آپ ﷺ بقیع (مدینہ منورہ کی قبرستان) کی زیارت کے لیے جاتے تھے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ جب بھی آپ کی میرے یہاں رات گزارنے کی باری آتی تو آپ بقیع غرقد کی جانب آدھی رات کو نکل جاتے تھے۔(۲) قبر کی زیارت کرنے سے آخرت کا غم دور ہوتا ہے اور دنیا کی جانب میلان میں کمی ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة" (۳) ’’تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ تم کو آخرت کی یاد دلاتی ہے‘‘۔

پس تم موت کو اپنے قریب گمان کرو، جس سے تمہارے احوال کی اصلاح ہوگی اور قبروں کی زیارت کرو جس سے تمہارے دل کو زندگی حاصل ہوگی۔

سچائی کو لازم پکڑو:

سچائی سب سے عظیم اخلاقی فضائل اور سب سے بہترین انسانی صفات میں سے ہے، یہ ایمان کی بنیاد ہے، جس سے بلندی، ہمت اور علو ظاہر ہوتا ہے، قوم کے برگزیدہ لوگ اس سے متصف ہوتے ہیں اور وعدہ پورا کرنے والے مومنین کا یہ وصف ہوتا ہے،

---

(۱) مدارج السالکین: (۱/۸۹) (۲) مسلم

(۳) الترمذی و ابن ماجہ

چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی بھی اپنی زندگی میں جھوٹ نہیں بولے۔ مصعب بن زبیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ان کے نام ''صدیق'' پر امت کا اجماع ہے، اس لیے کہ انھوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں سبقت کی تھی اور ہمیشہ صدق وصفا کو لازم پکڑے رہے، اور کسی بھی حالت میں سچائی کا دامن نہیں چھوڑا''۔(۱)

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہر نکلنے اور داخل ہونے کو سچائی پر رکھیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وقل رب ادخلني مدخل صدق وأخرجني مخرج صدق واجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا﴾ (۲) (اور دعا کیا کریں کہ اے میرے پروردگار! مجھے جہاں لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے نکال سچائی کے ساتھ نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرمادے)

صدق سے متصف ہونا بلندی کی علامت ہے، اس سے متصف ہوکر کے بندہ نیک لوگوں کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے، اور جب تم دیکھو گے کسی ایسے آدمی کو جو اپنی باتوں اور معاملات میں صدق کو اپناتا ہے تو تم اس کی بلندی، رفعت اور اس کی ہمت کی درستگی کا انتظار کروگے، جنید بغدادی کہتے ہیں: ''حقیقی صدق اور سچائی یہ ہے کہ آپ ایسی جگہ پر سچ بولیں جہاں جھوٹ بولے بغیر بچنا ممکن نہ ہو''۔ تو جب تم صدق کی صفت سے متصف ہوجاؤ گے تو جان لوگے کہ یہ چیز تم پر اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ رب العالمین نے اسلام کے بعد بندے کو صدق سے اچھی کوئی نعمت نہیں دی ہے جو کہ اسلام کی غذا اور اس کی زندگی ہے، اور نہ ہی جھوٹ سے زیادہ بڑی کوئی آزمائش میں ان کو مبتلا کیا، کیونکہ یہی اسلام کی بیماری اور اس کا بگاڑ ہے'' (۳) اور قیامت کے دن سچائی سے متصف بندہ ہی نجات پائے گا، اللہ سبحانہ

(۱) تہذیب اللغات: (۱۸۱/۲) (۲) الاسراء: (۸۰) (۳) زاد المعاد: (۵۹۱/۲)

وتعالی نے فرمایا: ﴿قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها أبدا رضي الله عنهم ورضوا عنه ذلك الفوز العظيم﴾ (۱)(اللہ رب العالمین ارشاد فرمائے گا کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا ان کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اللہ تعالی ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بڑی (بھاری) کامیابی ہے)

پس اپنے قول وعمل میں صداقت کو لازم پکڑو تا کہ تم جنت میں صدیقین کے درجہ کو پہنچ جاؤ۔

جھوٹ کی قباحت:

جھوٹ نفاق کی کنجی اور اس کی جڑ ہے اور یہ مخلوق میں سے رذیل اور گھٹیا لوگوں کی سب سے خاص صفت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا ائتمن خان" (۲)منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ ابلیس کا جھوٹ ہی آدم وحوا علیہما السلام کے جنت سے نکلنے کا سبب بنا، اللہ سبحانہ وتعالی نے ابلیس کے متعلق فرمایا: "وقاسمهما إني لكما لمن الناصحين" (۳)(وہ (یعنی ابلیس نے) ان دونوں کے روبرو قسم کھالی کہ یقین جانئے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں)

اہل علم نے جھوٹے کے حال کو چوپایوں کے حال سے برا قرار دیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جھوٹے کا حال گونگے چوپایوں سے بھی برا ہے'' (۴)

---

(۱)المائدہ:(۱۱۹) (۲)بخاری، مسلم

(۳)الاعراف:(۲۱) (۴)مجموع الفتاوی:(۲۰/۷۴)

کیونکہ جھوٹ دنیا وآخرت کے فساد کا ضامن ہے۔ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا:''ہر ظاہر یا باطن عمل جس کا منشا کذب ہے وہ فاسد ہے اور اللہ تبارک وتعالی جھوٹے کو اس طرح سزا دیتا ہے کہ اسے مصلحت ومنفعت کی جگہوں سے دور کر دیتا ہے، اور سچوں کو دنیا اور آخرت کی مصلحتوں کی توفیق دے کر ثواب دیتا ہے تو دنیا وآخرت کی بھلائی کو پانے کے لیے سچائی سے بہتر کوئی صفت نہیں، اور دنیا وآخرت کی برائی اور فساد میں ڈالنے والی جھوٹ سے بری کوئی صفت نہیں''۔(۱) اگر جھوٹ کے مفاسد میں صرف اتنا مانا جائے کہ وہ تم کو آخرت میں صدیقیت کے درجہ سے محروم کرا دے گی تو اس کی برائی کے لیے یہی کافی ہے، کیونکہ صدیقیت کا درجہ جھوٹا کبھی بھی نہیں پا سکتا۔پس اپنی بات میں جھوٹ بولنے سے بچو، کیونکہ وہ تم کو گندگیوں میں گرا دے گا اور تم سے ساتھیوں کو دور کر دے گا، مخلوق تم سے نفرت کرنے لگے گی اور تمہارے ساتھ معاملات کرنے سے ڈرے گی۔

حسد:

حسد نفس کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے، یہ ایسا مرض ہے جو اکثر ہم مثلوں کے درمیان واقع ہوتا ہے، ان دونوں میں کسی ایک کو ناپسند کرنے کی وجہ سے یا دوسرے کا اپنے مخالف پر فضیلت اور برتری کی وجہ سے، یہ شیطان کے داخل ہونے کی بہت بڑی جگہوں میں سے ہے نیز یہودیوں کی صفتوں میں سے ایک مذموم صفت ہے، اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿أم يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله فقد آتينا آل ابراهيم الكتاب والحكمة وآتيناهم ملكا عظيما﴾ (۲) (یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس بنا پر کہ اللہ تعالی نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے) یہ ایسی جلائی ہوئی آگ ہے کہ جس کو بھی اس کے ذریعہ

---

(۱) بدائع الفوائد: (۱/۱۳۶)   (۲) النساء: (۵۴)

آزمایا گیا وہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوا، شاعر کہتا ہے:

لله در الحسد ما أعد له　　　　يبدأ بصاحبه فيقتله

ایک قول یہ ہے کہ پہلا گناہ جس چیز کے ذریعہ اللہ کی معصیت کی گئی وہ تین ہیں، لالچ، گھمنڈ اور حسد، پس لالچ آدم علیہ السلام کی طرف سے ہوئی، گھمنڈ ابلیس کی طرف سے اور حسد قابیل کی طرف سے ہوا، اس طور پر کہ اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

حسد اللہ رب العالمین سے عداوت کی ایک قسم ہے، کیونکہ حاسد اللہ کی اس نعمت کو ناپسند کرتا ہے جو اس نے اپنے بندے کو دی ہے، جبکہ اللہ اس نعمت کو پسند کرتا ہے اور حاسد اس نعمت کے زوال کو پسند کرتا ہے، اس طرح حاسد اللہ رب العالمین کی اس کے قضا وقدر اور پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں مخالفت کرتا ہے۔ اور یہ چیز دین میں اخوت و بھائی چارگی کے بھی منافی ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبع بعضكم على بيع بعض وكونوا عباد الله إخوانا" (۱) ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، محض قیمت بڑھانے کے لیے کسی کی بولی پر بولی نہ لگاؤ، ایک دوسرے سے بغض وکینہ نہ رکھو اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور تم میں سے کوئی کسی کے سودے پر سودا نہ کرے، پس تم لوگ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ''۔

حاسد بندوں پر اللہ کے فضل کو ناپسند کرتا ہے، یہ مخلوق کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے اور صرف اپنی ذات کے لیے محبت کرتا ہے، نیز دوسروں کے منافع کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں تمام لوگوں کو راضی کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں سوائے اس آدمی کے جو کسی نعمت پر حسد کرتا ہو، کیونکہ اسے صرف اس نعمت کا زوال ہی راضی کر سکتا ہے''۔

---

(۱) مسلم

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حاسد اللہ کی نعمتوں اور اس کے بندوں کا دشمن ہے، اور اللہ کے نزدیک اور اس کے بندوں کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، وہ لوگ اسے قبول نہیں کرتے اور نہ لوگوں کا وہ خیر خواہ ہے، کیونکہ لوگ صرف اسی آدمی کو قبول کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھلائی اور احسان کرتا ہے''۔(۱)

ایک فاضل انسان حسد کرنے والا نہیں ہوسکتا، بلکہ مفضول ہی حسد کرتا ہے، جبکہ اللہ تعالی کبھی بھی اس آدمی کو جس سے حسد کیا جارہا ہے ایسی نعمت سے نوازتا ہے جس پر دوسرے اس سے حسد کرنے لگتے ہیں یا اس کے لیے اس نعمت میں اضافہ کردیتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالی نے اپنے بندہ کو جو نعمت عطا کی ہے اس پر بغض رکھنا ایک مرض ہے، اس لیے کہ جس سے حسد کیا جارہا ہے اسے یہ نعمت دوبارہ حاصل ہوسکتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑی کوئی نعمت مل سکتی ہے''۔(۲)

جس آدمی سے حسد کیا جارہا ہے وہ مظلوم ہے اور اسے صبر وتقوی کا حکم دیا گیا ہے، لہذا اسے چاہیے کہ حاسد کی تکلیفوں پر صبر کرے اور اسے معاف ودرگذر کردے، کیونکہ بلندی اسی کے لیے ہے، اور جو آدمی اپنے دل میں دوسرے کے لیے حسد محسوس کرے تو اسے چاہیے کہ تقوی وصبر کی طرف جلدی کرے تو یہ خود اس کے لیے مفید ہوگا، لہذا اپنے دل سے حسد کو ہٹانے کی کوشش کرتے رہو اور جس سے حسد کیا جارہا ہے اس کے ساتھ بھلائی کرکے اور اس کے لیے دعا کرکے اس پر احسان کرنے کی کوشش کرو، ہوسکتا ہے کہ یہ حسد کے جذبات محبت سے بدل جائیں اور تمہارا مسلمان بھائی تمہارے لئے افضل وبہتر ہوجائے، ابن رجب فرماتے ہیں: ''یہ ایمان کے سب سے بلند درجات میں سے ہے، اور یہ درجہ پانے والا وہ مومن کامل ہے جو اپنے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے بھائی کے لیے پسند کرتا ہے''۔(۳)

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نفس پر سب سے مشکل اور سخت اسباب میں سے یہ

---

(۱) بدائع الفوائد: (۲/۴۶۲)   (۲) الفتاوی: (۱۰/۱۱۲)   (۳) جامع العلوم والحکم: (۱/۲۶۳)

ہے جس کی توفیق صرف وہی شخص دیا جاتا ہے جس کا نصیبہ اللہ کے یہاں بہت زیادہ ہوتا ہے کہ حاسد اور تکلیف دینے والے کی آگ کو اس کے ساتھ احسان کر کے بجھایا جائے، اور جب جب اس کی طرف سے برائی، تکلیف، ظلم اور حسد زیادہ ہو اس کے ساتھ احسان، خیر خواہی اور مہربانی زیادہ کی جائے''۔(۱)

غیبت:

جس شخص کی نظر میں اس کا نفس عزیز ہوتا ہے تو وہ اس کی حفاظت وحمایت کرتا ہے اور جس کی نظر میں اس کا نفس معمولی ہوتا ہے تو وہ اس کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے اور اس کو غلط وگندی چیزوں میں ڈال دیتا ہے، اس کو لغزشوں سے نہیں بچاتا ہے، اور انسان عیوب، لغزشوں اور برائیوں کا نام ہے تو تم یہ مت سمجھو کہ تم وہ جانتے ہو جو دوسرے لوگ نہیں جانتے یا تم نے وہ چیزیں حاصل کر لی ہیں جو دوسرے لوگ نہ پا سکے اور خوش نصیب وہ آدمی ہے جسے اپنا عیب دوسروں کے عیب سے محفوظ رکھے۔

غیبت کرنے والا دین کو خراب کرتا ہے اور اس سے دور رہنے ہی میں سلامتی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''غیبت کرنے والے سے ایسے ہی بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو''۔ غیبت برائیوں کو کھینچ لانے والی ہے، حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم آدمی کے دین میں غیبت جسم کے اندر زخم پیدا کرنے والے کیڑے سے بھی زیادہ تیز اثر کرتی ہے''۔ اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ آدمی اسی کی غیبت کرتا ہے جو اس سے بلند ہوتا ہے اور جو اس سے نیچا ہوتا ہے وہ رحمت کو غیبت پر مقدم رکھتا ہے۔

اسلام خواہشات نفس سے دشمنی کی تعلیم دیتا ہے اور اس نے غیبت کی یہ سزا متعین کی ہے کہ آپ کی نیکیاں اس شخص کو دے دی جائیں گی جس کی آپ نے غیبت کی ہے، یہ سب چیزیں غیبت سے نفرت پیدا کرتی ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے

---

(۱) بدائع الفوائد: (۲/۴۶۸)

ہیں: ''اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنی ماں کی کرتا، اس لیے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ میری نیکی کی حقدار میری ماں ہے''۔ پس یہ (غیبت) نیکیوں کے لیے آگ ہے جو اسے ایسے ہی کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا لیتی ہے۔

غیبت کے ذریعہ انسان کا دل سخت ہوجاتا ہے، اور زبان گندی ہوجاتی ہے، اسی لیے علماء اپنے بارے میں اس سے ڈرا کرتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب سے میں نے یہ جان لیا ہے کہ غیبت حرام ہے میں نے کبھی بھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے''۔ تو اپنی زبان کو لوگوں کی آبروؤں سے محفوظ اور رذیل باتوں سے دور رکھو تو تم پاک نفس ہوجاؤ گے، اور لوگوں کی نظروں میں محبوب بن جاؤ گے اور اپنے خالق کے مقرب بندے ہوجاؤ گے۔

وعدہ خلافی:

وعدہ پورا کرنا شریف لوگوں کی ایک بہترین صفت ہے، اور وعدہ خلافی کرنا کمال رجولیت میں عیب ہے، نیز رب العالمین کی نافرمانی اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی علامت ہے، اس صفت سے صرف رذیل لوگ ہی متصف ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعده أخلف وإذا أوتمن خان" (۱) زاد مسلم: وإن صام وصلى وزعم أنه مسلم" منافق کی تین علامتیں ہیں: بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ مسلم نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان رکھے کہ وہ مسلمان ہے۔ بلاشبہ جس شخص نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی تو اس نے اللہ رب العالمین کی نافرمانی کی، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ولا تقربوا مال اليتيم إلا بالتي هي أحسن حتى يبلغ أشده، وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ (۲) (اور یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ بجز اس طریقہ کے جو بہت ہی بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ

---

(۱) بخاری، مسلم (۲) الاسراء: (۳۴)

جائے اور وعدہ پورا کرو کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے)

ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''جو شخص وعدہ کرتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ وعدے کو پورا نہیں کرے گا تو یہ سب سے برا انسان ہے، اور اگر وہ کہے کہ میں ایسا کروں گا اگر اللہ نے چاہا، لیکن اس کی نیت نہ کرنے کی ہو تو وہ کذاب اور وعدہ خلاف ہے۔ یہی بات امام اوزاعی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔(۱)

اپنے والدین کی امید کو پورا کرو:

تمہارے والدین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ تم ان لوگوں میں سے رہو جن کے اخلاق عمدہ اور بلند ہیں اور جو صحیح دین پر قائم نیز حقیر ورذیل اعمال سے دور رہتے ہیں اور دین سے انحراف کرنے والے، لذتوں وشہوات میں گرفتار نیز جہالت وخواہش میں پڑے ہوئے لوگوں کے شکار نہ بنو، لہذا شہوت وغفلت میں پڑ کر اپنے بارے میں اپنے والدین کی امیدوں کو ضائع نہ کرو، اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی صفائی کو اپنے اوپر لازم رکھو، کیونکہ اگر تم نفس کو خواہشات کے ساتھ چھوڑ دوگے تو وہ گمراہ ہوگا اور گمراہ کرے گا، اگر تم اسے مہذب بنادوگے تو وہ حسن استقامت، اچھی خصلتوں اور بلند اخلاق کا حامل ہوگا، اور جو شخص اپنے آپ کو لذتوں کے تغافل سے نہیں روکے گا اور شبہات کی جانب مائل ہونے سے اسے نہیں بچائے گا تو وہ غفلت میں پڑے گا، اس کی شرافت ختم ہو جائے گی اور اپنے نفس کو ضائع کر کے اپنی قدر ومنزلت کو لوگوں کے پاس سے ختم کردے گا، اور اس طرح اپنے بارے میں اپنے والدین اور اعزاء واقرباء کی امیدوں کو پامال کردے گا۔

قرآن کو حفظ کرنے کا بہترین طریقہ:

قرآن کریم کے حفظ کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جسے ہم ذکر کر رہے ہیں اور یہ طریقہ اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں حفظ مضبوط اور پکا ہوتا ہے اور آدمی بہت جلد

---

(۱) جامع العلوم والحکم: (۲/۴۸۲)

ختم قرآن سے فارغ ہوتا ہے، سورہ جمعہ کے ایک صفحہ کی مثال کے ساتھ یہ طریقہ ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:

۱- پہلی آیت بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿يسبح لله ما في السماوات وما في الأرض الملك القدوس العزيز الحكيم﴾ (۱) (ساری چیزیں) جو آسمان اور زمین میں ہیں اللہ تعالی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو بادشاہ نہایت پاک ہے غالب باحکمت ہے)

۲- دوسری آیت کریمہ بھی بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿هو الذين بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين﴾ (۲) (وہی وہ ذات ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

۳- تیسری آیت کریمہ بھی اسی طرح بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿وآخرين منهم لما يلحقوا بهم وهو العزيز الحكيم﴾ (۳) (اور دوسروں کے لیے بھی (نبی ہیں) انہی میں سے جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہی غالب باحکمت ہے)

۴- چوتھی آیت کریمہ بھی بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم﴾ (۴) (یہ اللہ کا فضل ہے کہ جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالی بہت بڑے فضل کا مالک ہے)

۵- اس کے بعد ان چاروں آیتوں کو شروع سے لے کر آخر تک ربط پیدا کرنے

---

(۱) الجمعۃ: (۱) (۲) الجمعۃ: (۲)
(۳) الجمعۃ: (۳) (۴) الجمعۃ: (۴)

کے لیے بیس مرتبہ پڑھا جائے۔

٦- اس کے بعد پانچویں آیت کریمہ بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿مثل الذين حملوا التوراة ثم لم يحملوها كمثل الحمار يحمل أسفارا، بئس مثل القوم الذين كذبوا بآيات الله، والله لا يهدي القوم الظالمين﴾ (۱) (جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو، اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بڑی مثال ہے اور اللہ ایسے ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا)

٧- اسی طرح چھٹی آیت کریمہ کو بھی بیس مرتبہ پڑھا جائے: ﴿قل يا أيها الذين هادوا إن زعمتم أنكم أولياء لله من دون الناس فتمنوا الموت إن كنتم صادقين﴾ (۲) (اے نبی) کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعوی ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا، تو تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔

٨- ساتویں آیت کریمہ بھی بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿ولا يتمنونه أبدا بما قدمت أيديهم والله عليم بالظالمين﴾ (۳) (یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں اور اللہ تعالی ظالموں کو خوب جانتا ہے)

٩- آٹھویں آیت کریمہ بیس مرتبہ پڑھی جائے: ﴿قل إن الموت الذي تفرون منه فإنه ملاقيكم ثم تردون إلى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون﴾ (۴) (اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ جس

---

(۱) الجمعۃ: (۵)　(۲) الجمعۃ: (٦)
(۳) الجمعۃ: (۷)　(۴) الجمعۃ: ۸

موت سے تم بھاگتے ہووہ تو تمہیں پہنچ کر رہے گی پھر تم سب چھپے کھلے کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمھیں تمہارے کیے ہوئے تمام کام بتلا دے گا)

۱۰- پھر پانچویں آیت کریمہ سے لے کر آٹھویں آیت تک ان سب کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لیے بیس مرتبہ پڑھی جائے۔

۱۱- پہلی آیت کریمہ سے لے کر آٹھویں آیت کریمہ تک اس صفحہ کو اچھی طرح یاد کرنے کے لیے بیس مرتبہ پڑھا جائے۔

اسی طرح پورے قرآن کے ہر صفحہ میں اسی طریقے کو لازم پکڑو اور کسی بھی دن آٹھ آیت سے زیادہ یاد نہ کرو تا کہ یاد کرنا تمہارے لیے زیادہ نہ ہو جائے اور جو یاد ہے وہ بھی ہاتھ سے چلا جائے۔

جب میں کسی دن نئے صفحے کو حفظ کرنا چاہوں تو کیسے کروں؟

جب تم اگلے دن دوسرے صفحہ کو حفظ کرنا چاہو تو تم اسی طریقے پر جو میں نے ذکر کیا ہے، نئے صفحہ کو حفظ کرنے سے پہلے پچھلے صفحہ کو شروع سے آخر تک بیس مرتبہ پڑھو، تا کہ پچھلا یاد کیا ہوا حصہ مضبوط ہو جائے (ذہن نشین ہو جائے) پھر تم نئے صفحہ کو حفظ کرنے کی جانب منتقل ہو جاؤ، اسی طریقے کے مطابق جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آگے بھی یاد کرو۔

حفظ اور مراجعہ کے درمیان میں کیسے جمع کروں؟

تم بغیر مراجعہ کے قرآن حفظ نہ کرو، اس لئے کہ اگر تم قرآن کو ایک ایک صفحہ یاد کرو یہاں تک کہ ختم کر دو، لیکن جب اپنے حفظ کا مراجعہ کرنا چاہو گے تو تم محسوس کرو گے کہ جو کچھ تم نے حفظ کیا ہے اسے بھول گئے ہو، اور مثالی طریقہ یہی ہے کہ حفظ اور مراجعہ کو ایک ساتھ جمع کر دیا جائے، اور تم قرآن کو اپنے پاس تین حصوں میں تقسیم کر لو اس حیثیت سے کہ ہر دس پارہ ایک حصہ ہو، پس جب تم آج کے دن ایک صفحہ حفظ

کرلوتو چار صفحہ کا مراجعہ کرو، یہاں تک کہ دس پارہ حفظ کرلواور جب تم دس پارہ حفظ مکمل کرلوتو پورا ایک مہینہ اس کا مراجعہ کرو، اور ہر دن آٹھ صفحہ کا مراجعہ کرو ایک مہینہ مراجعہ کے بعد دوبارہ اپنے حفظ کا بقیہ حصے کی شروعات کرو، لہذا تم ایک صفحہ یا دوصفحہ حسب استطاعت حفظ کرو اور آٹھ صفحات کا مراجعہ کرتے رہو، یہاں تک کہ بیس پارے مکمل کرلو، پس جب بیس پارے مکمل کرلوتو پھر تم دو مہینے حفظ روک کر بیس پارے کا مراجعہ کرو، اس طور پر کہ ہر دن آٹھ صفحے کا مراجعہ کرو، تو جب مراجعہ کی مدت دو مہینہ گذر جائے تو پھر ہر روز ایک صفحہ یا دوصفحہ حسب استطاعت حفظ کرنا شروع کرو، اور آٹھ صفحات کا مراجعہ کرتے رہو یہاں تک کہ پورا مکمل قرآن حفظ کرلو، تو جب تم حفظ قرآن مکمل کرتو تو تم شروع کے دس پارے کا ایک مہینہ تک مراجعہ کرو، اس طور پر کہ ہر روز آدھا پارہ مراجعہ کرو، پھر بیسویں پارے تک منتقل ہوکر ایک مہینے تک مراجعہ کرو، اس طور پر کہ ہر روز آدھا پارہ کا مراجعہ کرو اور شروع کے دس پاروں سے آٹھ صفحات کی تلاوت بھی کرو، پھر قرآن کے آخری دس پاروں کا ایک مہینہ تک مراجعہ کرو، ہر روز آدھا پارہ ساتھ ہی ساتھ آٹھ صفحات شروع کے دس پاروں سے اور آٹھ صفحات درمیان کے دس پاروں سے پڑھو۔

مراجعہ کے اس طریقے کو ختم کرنے کے بعد کیسے میں پورے قرآن کا مراجعہ کروں؟

مکمل طور سے قرآن مراجعہ کے ساتھ شروع کرو، ہر روز دو پارہ کا مراجعہ کرو اور تم ہر روز اس کو تین مرتبہ پڑھو، اس طریقہ سے دو ہفتے میں ایک پورا قرآن مکمل مراجعہ کے ساتھ ختم ہوگا۔

اور یہی طریقہ پورے سال اپناؤ گے تو تم قرآن مکمل پختگی کے ساتھ حفظ کرلوگے اور یہی طریقہ پورے سال اختیار کرو۔

قرآن حفظ کرنے کے ایک سال بعد میں کیا کروں؟

قرآن کے پختہ حفظ اور اس مراجعہ کے ایک سال بعد تمہیں چاہیے کہ تم نبی کے طریقہ کے مطابق روزانہ قرآن کی ایک منزل مقرر کرو اور یہ سلسلہ موت تک قائم رہے، نبی کریم ﷺ قرآن کو سات منزلوں میں پڑھتے تھے یعنی آپ ہر سات دنوں میں قرآن ختم کر لیتے تھے، اوس بن حذیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں سے پوچھا کیسے آپ لوگ قرآن کی تقسیم کرتے ہیں تو ان لوگوں نے کہا: تین سورہ، پانچ سورہ، سات سورہ اور گیارہ سورہ اور مفصلات کو سورہ ق سے ختم قرآن تک تقسیم کرتے ہیں۔(۱)

یعنی پہلے دن سورہ فاتحہ سے سورہ نساء تک پڑھتے۔
دوسرے دن سورہ مائدہ سے سورہ توبہ تک پڑھتے۔
تیسرے دن سورہ یونس سے سورہ نحل تک پڑھتے۔
چوتھے دن سورہ اسراء سے سورہ فرقان تک پڑھتے۔
پانچویں دن سورہ شعراء سے سورہ یس تک پڑھتے۔
چھٹے دن سورہ صافات سے سورہ حجرات تک پڑھتے۔
ساتویں دن سورہ ق سے سورہ ناس تک پڑھتے۔

نبی کریم ﷺ کی تقسیم کو علماء نے اپنے قول ''فمی بشوق'' میں جمع کر دیا ہے، پس دو کلموں کا ہر حرف یہ نبی کریم ﷺ کی روزانہ کی شروعات ہے، پس ان کے قول 'فمی' میں 'ف' کا حرف یہ سورہ فاتحہ کے لیے ایک اشارہ ہے جو یہ بتلاتا ہے کہ پہلے دن سورہ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔

فمی میں ''م'' کے ذریعہ یہ اشارہ ہے کہ دوسرے دن آپ سورہ مائدہ سے شروع

---

(۱) مسند أحمد

کرتے تھے۔

ان کے قول 'فمی' میں ی کے ذریعہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ آپ تیسرے دن سورہ یونس سے شروع کرتے تھے۔

'بشوق' میں ''ب'' کے ذریعہ یہ اشارہ ہے کہ آپ چوتھے دن سورہ بنی اسرائیل سے شروع کرتے تھے، بنی اسرائیل کا ایک دوسرا نام ''اسراء'' بھی ہے۔

''ش'' کے ذریعہ یہ اشارہ ہے کہ آپ پانچویں دن سورہ شعراء سے شروع کرتے تھے۔

''واؤ'' کے ذریعہ یہ اشارہ ہے کہ چھٹے دن سورہ صافات سے شروع کرتے تھے۔

اور ''ق'' کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ساتویں دن آپ سورہ ق سے الناس تک پڑھتے تھے۔

موجودہ زمانے میں قرآن کریم کی تقسیم حجاج بن یوسف کی وضع کی ہوئی ہے۔

قرآن میں متشابہات کے درمیان میں کیسے تفریق کروں؟

جب قرآن کی دو آیتوں میں تمہیں مشابہت ہو جائے تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن میں موجود دونوں آیتوں کو کھولو اور دیکھو کہ ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے پھر اس میں غور کرو اور اپنے لئے ایک ضابطہ بنالو، اور مراجعہ کے دوران اس فرق کو بار بار ملحوظ رکھو، یہاں تک کہ دونوں کے درمیان جو مشابہت ہے اس کے سلسلے میں مضبوط ہو جاؤ۔

حفظ کے قواعد وضوابط:

۱-ضروری ہے کہ تم کسی شیخ کے پاس حفظ کرو تا کہ تلاوت صحیح ہو جائے۔

۲- روزانہ تم دو صفحہ حفظ کرو، ایک صفحہ فجر بعد اور ایک صفحہ عصر یا مغرب بعد، اس

طریقے سے تم ایک سال کے اندر پختہ طور پر حفظ کرلو گے، اور تمہارا حفظ پختہ ہوگا، اور اگر تم اس سے زیادہ حفظ کرو گے تو جو حفظ کرو گے وہ کمزور ہوگا۔

۳-سورہ ناس سے سورہ بقرہ تک حفظ کرو، کیونکہ اس طرح حفظ کرنا آسان ہے اور قرآن حفظ کرنے کے بعد تم سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک مراجعہ کرو۔

۴-ایسے قرآن (مصحف) سے حفظ کرو جو طباعت میں ایک ہوتا کہ وہ حفظ یادرکھنے میں مدد دے اور آیات، جگہیں اور صفحات کے آخری اور شروع کے حصہ جلدی یاد آجائے۔

۵-ہر وہ شخص جو قرآن حفظ کرتا ہے تو شروع کے دو سالوں میں حفظ کی ہوئی چیز اس سے چھوٹنے لگے گی، اس مرحلے کو تجمیع کا مرحلہ کہتے ہیں، لہذا تم اس بات سے غمگین نہ ہو کہ قرآن تم سے چھوٹ رہا ہے یا تم سے زیادہ غلطی ہورہی ہے یہ بہت سخت آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے، شیطان تمہیں اپنا شکار بنانے کی کوشش کرتا ہے تا کہ تمہیں قرآن کے حفظ سے روک دے، تم اس کے وسوسوں کو خود سے دور کردو اور حفظ میں لگے رہو، یہ وہ خزانہ ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتا ہے۔

زندگی کے مطالبات کے درمیان تطبیق:

اس دور میں لوگوں کے مقاصد گوناگوں ہوتے ہیں، ان کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں، ضروریات متعدد ہوتی ہیں اور ان سے روکنے والی چیز بھی مختلف ہوتی ہیں، آدمی ان روکنے والی چیزوں اور مطالبوں کے سامنے حیران و پریشان ہوتا ہے، گھر کی نگرانی کرنی ہوتی ہے اور ان کے فرائض ہوتے ہیں، بیوی کو توجہ چاہیے اور اس کے بھی مطالبات ہوتے ہیں، والدین کی تکریم اور ان کے حقوق بھی ہیں، دوستوں کے ساتھ ہمدردی اور وفاداری کا برتاؤ کرنا ہے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کرنا ہے، پڑوسیوں کی دیکھ بھال کرنا اور ان سے ملنا جلنا ہے، غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کرنی ہے اور طلب رزق کے لیے ضروری وقت چاہیے، علماء کے دروس میں

حاضر ہونے کا شوق وجذبہ ہے، حفظ متون کی بھی تمنا اور آرزو ہے، ایک حوصلہ مند طالب علم تمام چیزوں کے سامنے حیران وپریشان ہوجاتا ہے کہ خیر کی ان تمام بکھری ہوئی چیزوں کو کیسے جمع کرے؟

یہ ایک ایسی چیز ہے جو مطالبہ کرتی ہے کہ وقت میں برکت کی دعا کی جائے اور زندگی کے امور کو منظّم کیا جائے، شریعت میں دین ودنیا کے مطالبات کو جمع کرنے کا ایک قاعدہ بتایا گیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: "فإن لزوجك عليك حقا، ولزورك عليك حقا، ولجسدك عليك حقا" (۱) تمہاری بیوی کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے ملنے جلنے والے کا تمہارے اوپر حق ہے اور تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے۔

پس ہر حقدار کو اس کا حق دیجئے، اپنی عمر کے اوقات غنیمت جانئے، اپنی زندگی کے پھول کو تمام خیر کے راستے پر لگا دیجئے اور ان تمام چیزوں کے لیے وقت نکالئے اور اس کے ذریعہ اخلاص نیت کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کیجئے، اور معصیت کے علاوہ کاموں میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو مقدم کیجئے، اس لیے کہ ان سے قریب رہنے میں بہتری اور برکت ہے۔

پورے دن کا مجوزہ پروگرام:

تم مسلمان کی جماعت کے ساتھ مسجد میں فجر کی نماز ادا کرو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من صلى صلاة الصبح فهو في ذمة الله" (۲) جو شخص صبح کی نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ کے امان میں ہوتا ہے۔ پھر تم مسجد میں ٹھہرے رہو اور صبح کا ورد کرنے کے بعد تم قرآن حفظ کرو اور اگر تم حافظ ہو تو جتنا حفظ کیا ہے اس کا مراجعہ کرو، پھر متون کو یاد کرو اور ان میں کچھ حصے کا مراجعہ کرو، یہ تمام چیز مسجد ہی میں کرو، یہاں

(۱) بخاری، مسلم (۲) مسلم

تک کہ سورج ایک نیزے کے برابر بلند ہو جائے پھر دو رکعت چاشت کی نماز ادا کرو، پھر اپنے گھر لوٹو، پھر مدرسہ جاؤ یا کام میں مشغول ہو جاؤ، مدرسہ یا کام سے لوٹنے کے بعد تم عصر تک آرام کرو، عصر کی نماز کے بعد طالب علم مدرسہ کی ضروری چیزوں کو پڑھے اور مغرب کی نماز کے بعد تم عشاء تک مسجد میں ٹھہرے رہو اور مغرب کے بعد وہی کرو جو فجر کی نماز کے بعد کیا تھا، یعنی قرآن کا حفظ کرو، متون یاد کرو اور اس کا مراجعہ کرو، عشاء کی نماز کے بعد تم جلد ہی سو جاؤ، کیونکہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند کرتے تھے، ابو برزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "كان النبي ﷺ يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها" (۱) نبی کریم ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے اور اس کے بعد بات کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔

پس تم سونے کے وظائف پڑھو، پھر اپنے دائیں پہلو پر پاک (باوضو) ہو کر سو جاؤ، نماز فجر سے کچھ پہلے تم نیند سے بیدار ہو جاؤ اور نیند سے بیدار ہونے کی دعا پڑھو تا کہ تم سے شیطان کی لگائی ہوئی گرہ کھل جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "يعقد الشيطان على قافية رأس أحدكم إذا هو نام ثلاث عقد، يضرب كل عقدة، عليك ليل طويل فارقد، فإن استيقظ فذكر الله انحلت عقدة فان توضأ انحلت عقده فإن صلى انحلت عقده، فاصبح نشيطا طيب النفس وإلا أصبح خبيث النفس كسلان" (۲) کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کی گدی پر جب وہ سوتا ہے تو تین گرہیں لگاتا ہے ہر گرہ پر وہ منتر پڑھتا ہے تیرے لیے رات لمبی ہو، پس خوب سوؤ، اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ وضوء بھی کر لے تو ایک گرہ اور کھل جاتی ہے، پھر

(۱) بخاری، مسلم (۲) بخاری، مسلم

اگراس نے نماز بھی پڑھ لی تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ صبح اس حال میں کرتا ہے کہ وہ ہشاش بشاش اور پاکیزہ نفس ہوتا ہے، ورنہ اس کی صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ وہ خبیث النفس اور سست ہوتا ہے۔

جب تم نیند سے بیدار ہوتو کہو: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، وسبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر، ولا حول ولا قوة إلا بالله. قال عليه الصلاة والسلام: من تعار من الليل أي استيقظ، فقال لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، الحمد لله وسبحن الله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال اللهم اغفر لي أو دعا استجيب له فإن توضأ وصلى قبلت صلاته" (۱) نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا جو شخص نیند سے بیدار ہوا اور وہ کہے: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، الحمد لله وسبحان الله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله. پھر کہے: اللهم اغفر لي یا کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی اور وضو کرے اور نماز پڑھ لے تو اس کی نماز قبول کر لی جائے گی۔

میں اللہ عز وجل سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کو دنیا وآخرت میں سعادت مند لوگوں میں شامل کردے اور جدھر کا بھی رخ کریں آپ کو توفیق عطا کرے، نیز جہاں بھی آپ جائیں آپ کو بابرکت بنائے اور ہم سب کو جنت میں فردوس اعلی میں جمع کردے، آمین یارب العالمین۔

تقبل الله منا انك أنت السميع العليم.

(۱) صحیح البخاری